النور

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

ستمبر 2003

مُصطفےٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے میرے جان کو مُدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

ہم ہوئے خیرِ اُمم تُجھ سے ہی اے خیرِ رُسُل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

(کلام مبارک حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ظُہورِ خیرُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا نعتیہ کلام

اک رات مفاسد کی وہ تیرہ و تار آئی　جو نور کی ہر مَشعل ظُلمات پہ وار آئی
تاریکی پہ تاریکی ، گمراہی پہ گمراہی　ابلیس نے کی اپنے لشکر کی صَف آرائی
طوفانِ مفاسِد میں غرق ہو گئے بَحر و بَر　ایرانی و فارانی ۔ رومی و بُخارائی
بن بیٹھے خدا بندے ۔ دیکھا نہ مقام اُس کا
شیطان کے چیلوں نے ہَتھیا لیا نام اُس کا

تب عرشِ مُعلّٰی سے اک نور کا تخت اُترا　اک فوج فرشتوں کی ہمراہ سوار آئی
اک ساعتِ نورانی، خورشید سے روشن تر　پہلو میں لئے جَلوے بے حدّ و شُمار آئی
کافور ہوا باطِل، سب ظُلم ہوئے زائل　اُس شمس نے دکھلائی جب شانِ خود آرائی
اِبلیس ہوا غارت ، چوپَٹ ہوا کام اُس کا
توحید کی یُورش نے دَر چھوڑا نہ بَام اُس کا

وہ پاک محمدؐ ہے ہم سب کا حبیب آقا　اَنوارِ رِسالت ہیں جس کی چَمن آرائی
محبُوبی و رَعنائی کرتی ہیں طواف اُس کا　قدموں پہ نِثار اُس کے جمشیدی و دارائی
نبیوں نے سجائی تھی جو بزمِ مہَ و انجم　وَاللہ اُسی کی تھی سب انجمن آرائی
دِن رات دُرود اُس پر ہر ادنیٰ غلام اُس کا
پڑھتا ہے بصَد مِنّت چُنتے ہوئے نام اُس کا

آیا وہ غنی جس کو جو اپنی دعا پہنچی　ہم دَر کے فقیروں کے بھی بخت سنوار آئی
ظاہر ہوا وہ جلوہ جب اُس سے نِگہ پلٹی　خود حُسنِ نظر اپنا سو چند نِکھار آئی
اے چشمِ عزاں دیدہ کُھل کُھل کہ سماں بدلا　اے فطرتِ خوابیدہ اُٹھ اُٹھ کہ بہار آئی
نبیوں کا اِمام آیا، اللہ اِمام اُس کا
سب تختوں سے اونچا ہے تخت عالی مقام اُس کا

اللہ کے آیئنہ خانے سے شریعت کی　نکلی وہ دُلہن کرکے جو سولہ سِنگار آئی
اُترا وہ خدا کوہِ فارانِ محمدؐ پر　موسیٰ کو نہ تھی جس کے دیدار کی یارائی
سب یادوں میں بہتر ہے وہ یاد ۔ کہ کچھ لمحے　جو اُس کے تصوّر کے قدموں میں گزار آئی
وہ ماہِ تمام اُس کا، مَہدی تھا غلام اُس کا
روتے ہوئے کرتا تھا وہ ذِکر مُدام اُس کا

مرزائے غُلام احمد ۔ تھی جو بھی مَتاعِ جاں　کر بیٹھا نِثار اُس پر ۔ ہو بیٹھا تمام اُس کا
دِل اُس کی محبّت میں ہر لحظہ تھا رام اُس کا　اِخلاص میں کامل تھا وہ عاشقِ تام اُس کا
اس دور کا یہ ساقی ، گھر سے تو نہ کُچھ لایا　مَے خانہ اُسی کا تھا ، مَے اُس کی تھی ، جام اُس کا
سازِندہ تھا یہ، اس کے، سب ساجھی تھے میت اُس کے
دُھن اِس کی تھی ، گیت اُس کے، لب اِس کے، پیام اُس کا

اک میں بھی تو ہوں یاربّ، صیدِ تہِ دام اُس کا　دِل گاتا ہے گُن اُس کے، لب چُنتے ہیں نام اُس کا
آنکھوں کو بھی دِکھلا دے، آنا لَبِ بام اُس کا　کانوں میں بھی رَس گھولے، ہر گام، خرام اُس کا
خیرات ہو مُجھ کو بھی ۔ اک جَلوۂ عام اُس کا　پھر یوں ہو کے ہو دل پر ، الہام کلام اُس کا
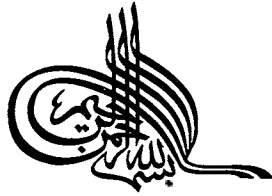
درس القرآن

رحمۃ اللعلمین ﷺ کا زمانہ رحمت اور ارضِ مقدس سے متعلق قرآن کریم کی پیشگوئیاں

(ماخوذ از تفسیر کبیر مؤلفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ • اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ • وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ •

(سورة الانبياء 106 تا 108)

ترجمہ و تفسیر:

فرماتا ہے۔ہم نے زبور میں کچھ شرائط بیان کرنے کے بعد یہ بات لکھ چھوڑی ہے۔کہ ارض مقدس کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے اس میں عبادت گذار بندوں کے لئے ایک پیغام ہے اور ہم نے تجھ کو ساری دنیا کی طرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔مطلب یہ ہے کہ بائیبل میں جو یہ پیشگوئی تھی کہ صرف خدا کے نیک بندے ارض مقدس میں رہیں گے اس سے کوئی اس وقت دھوکا نہ کھائے جب کہ بنی اسرائیل اس ملک پر غالب آجائیں گے۔کیونکہ اس پیشگوئی میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اگر کوئی وقفہ پڑا تو پھر خدا کے بندے اس ملک پر غالب آجائیں گے۔اس لئے فرماتا ہے کہ عبادت گذار بندوں کے لئے اس میں ایک پیغام ہے۔یعنی مسلمانوں کو تو ہوشیار کردے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ پھر بنی اسرائیل اس پر قابض ہو جائیں گے۔اس لئے یہاں عٰبِدِيْنَ کا لفظ داؤدؑ کی پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے استعمال کیا اور بتایا کہ میرے بندوں کو کہہ دے کہ ہوشیار ہو جاؤ۔اگر کسی وقت تم نے میرے عباد بننے میں کمزوری دکھائی تو پھر اللہ تعالیٰ یہودیوں کو اس ملک میں واپس لے آئے گا۔لیکن مسلمانوں کو چاہئیے کہ پھر عبادت گذار بن جائیں۔اس کے نتیجہ میں وہ پھر غالب آجائیں گے۔اور ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب زمانوں کیلئے رحمت ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اس وقت ختم نہیں ہو جاتا جب بنی اسرائیل فلسطین پر قابض ہوں۔بلکہ اس کے بعد وہ زمانہ ہے جس کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔پس مایوس نہیں ہونا چاہئے جب دوباہ رحمت الٰہی جوش میں آجائے گی۔مسلمان دوبارہ فلسطین میں غالب آجائیں گے۔

يُخْرِجُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (القرآن ۶۵:۱۲)

النور

شمارہ خصوصی ستمبر 2003

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیتی اور ادبی مجلّہ

نگران اعلیٰ : ڈاکٹر احسان اللہ ظفر امیر جماعت احمدیہ یو ایس اے

مدیر اعلیٰ : مختار احمد چیمہ

مدیران : ناصر احمد جمیل، عمران حئی

پرنٹرز : فضل عمر پریس ایتھنز اوہائیو۔یو۔ایس۔اے

لکھنے کا پتہ : Editors Ahmadiyya Gazette, 15000 Good Hope Road, Silver Spring, MD 20905

فہرست

اس آیت میں زبور کی جس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا ذکر زبور باب 37 میں آتا ہے اس میں لکھا ہے:۔

''تو بدکرداروں کے سبب سے بیزار نہ ہو اور بدی کرے والوں پر رشک نہ کر، کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد کاٹ ڈالے جائیں گے اور سبزہ کی طرح مرجھا جائیں گے۔ خداوند پر توکل کر اور نیکی کر ملک میں آباد رہ اور اس کی وفاداری سے پرورش پا۔ خداوند میں مسرور رہ اور وہ تیرے دل کی مرادیں پوری کرے گا اپنی راہ خداوند پر چھوڑ دے۔ اور اس پر توکل کر۔ وہی سب کچھ کرے گا۔ وہ تیری راستبازی کو نور کی طرح اور تیرے حق کو دوپہر کی طرح روشن کریگا خداوند میں مطمئن رہ اور صبر سے اس کی آس رکھ اس آدمی کے سبب سے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا اور برے منصوبوں کو انجام دیتا ہے بیزار نہ ہو۔ قہر سے باز آ اور غضب کو چھوڑ دے۔ بیزار نہ ہو اس سے برائی ہی نکلتی ہے کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائے گا تو اس کی جگہ کو غور سے دیکھے گا پر وہ نہ ہوگا۔ لیکن حلیم ملک کے وارث ہونگے اور سلامتی کی فراوانی سے شادمان رہیں گے''

(زبور باب 37 آیت 1 تا 11)

اسی طرح زبور باب 37 آیت 29 میں لکھا ہے:۔

''صادق زمین کے وارث ہونگے۔ اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وعدہ ارض مقدس کے متعلق بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا۔ یہ کوئی غیر مشروط وعدہ نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ نیکی اور تقویٰ اور صلاحیت کی شرط لگائی گئی تھی اور انہیں کھلے طور پر بتا دیا گیا تھا کہ اگر تم نے شرارتوں پر کمر باندھ لیا اور بدکرداریوں کو اپنا شیوہ بنا لیا تو یہ ملک تم سے چھین لیا جائے گا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میں سرکشی پیدا ہوگئی تو:

''جیسے تمہارے ساتھ بھلائی کرنے اور تم کو بڑھانے سے خداوند خوشنود ہوا۔ ایسے ہی تم کو فنا کرانے اور ہلاک کر ڈالنے سے خداوند خوشنود ہوگا۔ اور تم اس ملک سے اکھاڑ دئے جاؤ گے۔ جہاں تو اس پر قبضہ کرنے کو جا رہا ہے اور خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں پر پراگندہ کریگا وہاں تو لکڑی اور پتھر کے معبودوں کی جن کو تو یا تیرے باپ دادے جانتے بھی نہیں پرستش کرے گا''

(استثناء باب 28 آیت 64,63)

مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی خبر دے دی کہ اس عذاب کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے اندر تبدیلی پیدا کی تو ان پر پھر رحم کیا جائے گا۔ چنانچہ فرماتا:۔

''خداوند تیرا خدا تیری اسیری کو پلٹ کر تجھ پر رحم کریگا اور پھر کر تجھ کو سب قوموں میں سے جن میں خداوند تیرے خدا نے تجھ کو پراگندہ کیا ہو جمع کرے گا۔ اگر تیرے آوارہ گردہ دنیا کے انتہائی حصوں میں بھی ہوں تو وہاں سے بھی خداوند تیرا خدا تجھ کو جمع کر کے لے آئے گا''

(استثناء باب 30 آیت 4,3)

گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو یہ خبر دی گئی تھی کہ جب تمہاری شرارتیں بڑھ گئیں تو یہ ملک تم سے چھین لیا جائے گا۔ مگر اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا اور یہ زمین پھر تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔ مگر اس کے بعد پھر دوبارہ ایک تباہی کی خبر دی گئی۔ اور بتایا گیا کہ یہود پھر سرکش ہو جائیں گے اور پھر ان پر الٰہی عذاب نازل ہوگا اور وہ اس ملک سے نکال دئے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بھی پیشگوئی کی اور فرمایا کہ:۔

''انہوں نے اجنبی معبودوں کے باعث غیرت اور مکروہات سے اسے غصہ دلایا.........خداوند نے یہ دیکھ کر ان سے نفرت کی کیونکہ اس کے بیٹوں اور بیٹیوں نے اسے غصہ دلایا (اس جگہ تمام یہودی مردوں اور عورتوں کو خدا تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیا گیا ہے) تب اس نے کہا میں اپنا منہ ان سے چھپا لوں گا۔ اور دیکھونگا کہ ان کا انجام کیسا ہوگا کیونکہ وہ گردن کش نسل اور بے وفا اولاد ہیں.............. میں ان پر آفتوں کا ڈھیر لگاؤنگا اور اپنے تیروں کو ان پر ختم کروں گا وہ بھوک کے مارے گھل جائیں گے اور شدید حرارت اور سخت ہلاکت کا لقمہ ہو جائیں گے اور میں ان پر درندوں کے دانت اور زمین پر سرکنے والے کیڑوں کا زہر چھوڑ دونگا۔ باہر وہ تلوار سے مرینگے اور کوٹھریوں کے اندر خوف سے۔ جواں مرد اور کنواریاں، دودھ پیتے بچے اور پکے بال والے سب یوں ہی ہلاک

ہونگے"۔

(استثناء باب 32 آیت 16 تا 25)

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو دو تباہیوں کی خبر دی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ اس ملک پر تمہارا قبضہ دائمی نہیں ہوگا۔ بلکہ پہلے تمہارا قبضہ ہوگا اور پھر تم نکالے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام کس شان او رعظمت سے پورا ہوا۔ اس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں فرماتا ہے:-

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

(۱۷: ۵تا۷)

یعنی ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کو یہ بات کھول کر پہنچا دی تھی کہ تم یقیناً اس ملک میں دو دفعہ فساد کرو گے۔ اور یقیناً تم بڑی سرکشی اختیار کرو گے چنانچہ جب ان دو دفعہ کے فسادات میں سے پہلی دفعہ کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے بعض بندوں کو تمہاری سرکوبی کے لئے تم پر کھڑا کر دیا۔ جو سمندر جنگجو تھے،۔ اور وہ تمہارے گھروں کے اندر جا گھسے اور یہ وعدہ بہرحال پورا ہو کر رہنے والا تھا۔ ہم نے تمہاری طرف دوبارہ دشمن پر حملہ کرنے کی طاقت کو لوٹا دیا۔ اور ہم نے مالوں اور بیٹوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہیں جتھے کے لحاظ سے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کردیا۔

پھر فرماتا ہے:-

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءُ ا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع)

جب دوسری بار والا وعدہ پورا ہونے کا وقت آ گیا تا کہ وہ دشمن تمہارے منہ خوب کالے کریں اور تمہارا معزز لوگوں سے ناپسندیدہ معاملہ کریں اور اسی طرح مسجد میں داخل ہوں جس طرح وہ اس مسجد میں پہلی بار داخل ہوئے تھے ۔ اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے بالکل تباہ وبرباد کردیں تو ہم نے اپنی اس پیشگوئی کو بھی پورا کر دیا۔ مگر اب بھی کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کر دے، لیکن اگر تم پھر اپنے اس رویہ کی طرف لوٹے تو ہم بھی اپنے عذاب کی لوٹینگے اور یقیناً ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ فلسطین کا ملک خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملے گا۔ اور چونکہ پہلے یہود سے یہ وعدہ کیا گیا۔ اس لئے ان کو یہ ملک ملا۔ مگر ملک دیتے وقت خدا تعالیٰ نے کچھ شرائط بھی عائد کردیں اور فرمایا کہ کچھ عرصہ کے بعد تمہاری شرارتوں کی وجہ سے ہم یہ ملک تم سے چھین لیں گے۔ چنانچہ فرمایا:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ

جب ان دو بار کے فسادوں میں سے پہلی بار کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم اپنے حکم کے ساتھ ایک قوم کو مقرر کریں گے جو بڑی فوجی طاقت رکھتی ہوگی اور وہ فلسطین کے تمام شہروں میں گھس جائے گی اور تمہاری حکومت کو تباہ کردے گی۔ مگر ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ کچھ مدت کے بعد یہ ملک ہم تم کو واپس دے دینگے اور تمہاری طاقت اور قوت کو بحال کردیں گے۔

وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

اور ہم تم کو مال بھی دیں گے اور بیٹے بھی دیں گے اور تمہیں تعداد میں بھی بہت بڑھا دینگے لیکن پھر ایک وقت کے بعد ہم دوبارہ یہ ملک تم سے چھین لیں گے۔ چنانچہ فرمایا:-

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءُ ا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝

جب وہ دوسرا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا۔ تو اس لئے کہ وہ لوگ جن کو عارضی طور پر ہم یہ ملک دینے والے ہیں وہ تمہارے منہ خوب کالے کریں اور جس طرح پہلی دفعہ انہوں نے تمہاری عبادت گاہ کی بے حرمتی کی تھی اسی طرح اس دفعہ بھی اس کو ذلیل کریں۔ یہ دشمن پھر تمہارے ملک میں جا گھسیگا اور تمہاری عبادت گاہ کو ذلیل کریگا۔ مگر فرمایا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ کچھ بعید نہیں کہ اب بھی تمہارا

رب تم پر رحم کر دے یعنی اس کے بعد پھر ہم یہ فیصلہ کرینگے کہ یہ ملک واپس دے دیا جائے۔ مگر یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ یہودیوں کو دیا جائے گا بلکہ فرمایا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ خدا تم پر رحم کریگا نہیں اس بدنامی کو دور کر دیگا جو تمہاری دنیا میں ہوئی۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا اور اگر تم اپنی شرارتوں سے پھر بھی باز نہ آئے تو ہم بھی اپنی اسی سنّت کی طرف لوٹیں گے اور پھر یہ ملک تم سے چھین لینگے۔ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ۔اور جہنم کو ہم تمہارے لئے قید خانہ بنا دیں گے یعنی پھر تم اس ملک میں واپس نہیں آسکو گے۔

چنانچہ دیکھ لو۔ خداتعالیٰ نے کہا تھا۔ کہ یہ ملک کچھ عرصہ تمہارے پاس رہے گا۔ مگر اس کے بعد چھینا جائے گا۔ چنانچہ بابلی فوجیں آئیں اور انہوں نے عبادت گاہیں بھی تباہ کیں۔ شہر بھی تباہ کئے اور سارے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اور قریباً ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد وہ حکومت بدل گئی اور پھر یہودی اپنے ملک پر قابض ہو گئے۔

پھر مسیحؑ کے بعد رومی لوگوں نے اس ملک پر حملہ کیا اور اس کو تباہ و برباد کیا۔ اسی طرح مسجد کو تباہ کیا اور اس کے اندر سور کی قربانی کی اور اس پر ان کا لمبے عرصہ تک قبضہ رہا۔ لیکن آخر رومی بادشاہ عیسائی ہو گیا۔

اس لئے یہاں یہ نہیں فرمایا تھا کہ یہودیوں کو یہ ملک واپس کیا جائے گا بلکہ فرمایا تھا کہ پھر ہم تم پر رحم کریں گے یعنی تمہاری وہ بے عزتی دور ہو جائے گی۔ چنانچہ جب رومی بادشاہ عیسائی ہو گیا تو پھر وہ موسیٰ کو بھی ماننے لگ گیا داؤدؑ کو بھی ماننے لگ گیا۔ اسی طرح باقی جس قدر انبیاء تھے ان کو بھی ماننے لگ گیا۔ تھا وہ عیسیٰؑ کو ماننے والا لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی چونکہ موسوی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عیسائی بادشاہت یہودی نبیوں کا ادب کرتی تھی۔ تورات کا ادب کرتی تھی۔ بلکہ تورات کو بھی اپنی مقدس کتاب سمجھتی تھی گویا خدا کا رحم ہو گیا۔ مگر فرماتا ہے۔ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۔ اگر اس کے بعد تم لوگ پھر بگڑے اور شرارتیں کیں تو پھر ہم تمہارے ہاتھ سے یہ بادشاہت نکال دیں گے یعنی پھر مسلمان آ جائیں گے اور ان کے قبضہ میں یہ ملک چلا جائے گا اور وہ عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ بنیں گے اور تمہارے لئے پھر جہنم پیدا ہو جائے گا جس میں تم ہمیشہ جلتے رہو گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس جگہ مندرجہ ذیل امور بیان کئے گئے ہیں:-

1- یہ ملک یہود سے چھین کر ایک اور قوم کو دے دیا جائے گا۔

2- کچھ عرصہ کے بعد پھر یہ ملک یہود کو واپس مل جائے گا۔

3- کچھ عرصہ کے بعد یہ پھر ان سے چھین لیا جائے گا۔

4- اس کے بعد یہ ملک پھر واپس کیا جائے گا۔ مگر یہود کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ بلکہ موسوی سلسلہ کے ماننے والوں یعنی عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔

5- اگر پھر شرارت کی گئی (اب اس میں عیسائی بھی شامل ہو گئے۔ کیونکہ وہ بھی یہودیوں کا ایک گروہ تھے) تو پھر یہ زمین ان سے چھین لی جائے گی اور ایک اور قوم کو دے دی جائے گی۔ یعنی مسلمانوں کو۔ مگر اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل ہو کر اس کی ہتک کریں گے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے نزدیک بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے تمام ماتحت انبیاء مقدس تھیں۔ اس لئے مسلمان ان کی جگہیں بھی مقدس تھیں۔ اس لئے مسلمان ان کی مسجدوں میں وہ خرابیاں نہیں کر سکتے تھے جو بابلیوں اور رومیوں نے کیں۔

یہ عجیب لطیفہ اور قوموں کی ناشکری کی مثال ہے کہ بابلیوں نے یہودیوں کے ملک کو تباہ کیا اور ان کی مسجد کو ذلیل کیا۔ یورپین مصنّف کتابیں لکھتے ہیں تو بابلیوں کو کوئی گالی نہیں دیتا کوئی ان کو برا بھلا نہیں کہتا۔ کوئی ان پر الزام نہیں لگاتا۔ رومیوں نے اس ملک کو لیا اور اس مسجد میں خنزیر کی قربانیاں کیں۔ عیسائی رومی تاریخ پر کتابیں لکھتے ہیں۔ گبن نے بھی ''دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر (THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) لکھی ہے۔ مگر سب کتابوں کو دیکھ لو۔ وہ کہتے ہیں۔ رومن ایمپائر جیسی اچھی ایمپائر کوئی نہیں حالانکہ انہوں نے ان کی مسجد کو گندہ کیا۔ مگر وہ قوم جس نے ان کی مسجد کو گندہ نہیں کیا اس کو گالیاں دی جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فلسطین فتح ہوا۔ اور جس وقت آپ یروشلم گئے تو یروشلم کے پادریوں نے باہر نکل کر شہر کی کنجیاں آپ کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ اب ہمارے بادشاہ ہیں۔ آپ مسجد میں آ کر دو نفل پڑھ لیں تا کہ آپ کو تسلّی ہو جائے کہ آپ نے ہماری مقدس جگہ میں جو آپ کی بھی مقدس جگہ ہے نماز پڑھ لی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تمہاری مسجد میں اس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ میں ان کا خلیفہ ہوں۔ کل کو یہ مسلمان اس مسجد کو چھین لیں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ ہماری مقدس جگہ ہے اس لئے میں باہر ہی نماز پڑھوں گا تا کہ تمہاری مسجد نہ چھینی جائے۔

پس ایک وہ تھے جنہوں نے وہاں خنزیر کی قربانی کی اور یورپ کا منہ اس کی تعریف کرتے ہوئے خشک ہوتا ہے اور ایک وہ تھا جس نے ان کی مسجد میں دو نفل پڑھنے سے بھی انکار کیا کہ کہیں مسلمان کسی وقت یہ مسجد نہ چھین لیں۔ اور اس کو رات دن گالیاں دی

جاتی ہیں۔ کتنی ناشکر گزار اور بے حیا قوم ہے۔

اب مسلمانوں کے پاس فلسطین آ جانے کے بعد سوال ہو سکتا ہے کہ یہ ملک یہودیوں کے ہاتھ بھی نہ رہا اور عیسوی سلسلہ کے پاس بھی نہ رہا۔ یہ کیا معمّہ ہے؟ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ اعتراض نہیں پڑتا اس لئے کہ بعض دفعہ جب کسی بات پر جھگڑا ہوتا ہے اور وراثت کے کئی دعویدار بن جاتے ہیں اور ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہی صورت اس جگہ واقعہ ہوئی ہے۔ خدا ملک دینے والا تھا۔ خدا کے سامنے مقدمہ پیش ہوا کہ موسیٰؑ اور داؤدؑ کے وارث یہ مسلمان ہیں یا موسیٰؑ اور داؤدؑ کے وارث یہ یہودی اور عیسائی ہیں۔ تو کورٹ نے ڈگری دی کہ اب موسیٰؑ اور داؤدؑ کے وارث مسلمان ہیں۔ چنانچہ ڈگری سے ان کو ورثہ مل گیا۔

پھر آگے چل کر فرماتا ہے کہ:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا

(بنی اسرائیل آیت ۱۰۵)

پھر اس کے بعد ایک اور وقت آئے گا کہ یہودیوں کو دنیا کے اطراف سے اکٹھا کر کے فلسطین میں لا کر بسا دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ وقت اب آیا ہے جب کہ یہودی اس جگہ پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔

کراچی اور لاہور میں میں جب بھی گیا ہوں مسلمان مجھ سے پوچھتے رہے ہیں کہ یہ تو خدائی وعدہ تھا کہ یہ سرزمین مسلمانوں کے ہاتھ رہے گی پھر یہودیوں کو کیسے مل گئی؟ میں نے کہا۔ کہاں وعدہ تھا۔ قرآن میں تو لکھا ہے کہ پھر یہودی بسائے جائیں گے۔ کہنے لگے اچھا جی۔ یہ تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔ میں نے کہا تمہیں قرآن پڑھانے والا کوئی ہے ہی نہیں۔ تم نے سننا کہاں سے ہے؟ میری تفسیر پڑھو تو اس میں لکھا ہوا موجود ہے۔

تو یہ جو وعدہ تھا۔ کہ پھر یہودی ارض کنعان میں آ جائیں گے قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع 12 میں یہ لکھا ہوا ہے کہ:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا.

جب وہ آخری زمانہ کا وعدہ آئے گا تو پھر ہم تم کو اکٹھا کر کے اس جگہ پر لے آئیں گے۔

اس جگہ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے مراد مسلمانوں کے دوسرے عذاب کا وعدہ ہے اور دوسری دفعہ ارض مقدس ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ پھر یہود کو اس ملک میں واپس لے آئیگا۔

اس جگہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ یہود کے آنے کی وجہ سے اسلام منسوخ ہو گیا۔ گویا ان کے نزدیک اسلام کے منسوخ ہونے کی یہ علامت ہے کہ عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ نے اس پر قبضہ کرنا تھا۔ جب مسلمان وہاں سے نکال دئے گئے تو معلوم ہوا کہ مسلمان عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ نہیں رہے۔ یہ اعتراض زیادہ تر بہائی قوم کرتی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہی پیشگوئی تورات میں موجود ہے۔ یہی پیشگوئی قرآن میں موجود ہے۔ اور اس پیشگوئی کے ہوتے ہوئے اس ملک کو بابلیوں نے سو سال رکھا مگر اس وقت یہودی مذہب بہائیوں کے نزدیک منسوخ نہیں ہوا۔ ٹائٹس کے زمانہ سے لے کر سو دو سو بلکہ تین سو سال تک فلسطین روم کے مشرکوں کے ماتحت رہا وہ عیسائیوں کے قبضہ میں نہیں تھا۔ یہودیوں کے آنے پر نو سال کے اندر اندر اسلام منسوخ ہو گیا کیسی پاگل پن والی اور دشمنی کی بات ہے۔ اگر واقعہ میں کسی غیر قوم کے اندر آ جانے سے کوئی پیشگوئی باطل ہو جاتی ہے اور عارضی قبضہ بھی مستقل قبضہ کہلاتا ہے تو تم نے سو سال پیچھے ایک دفعہ قبضہ دیکھا ہے۔ تین سو سال دوسری دفعہ کافروں کا قبضہ دیکھا ہے۔ اس وقت یہودیت کو تم منسوخ نہیں کہتے۔ لیکن اسلام کے ساتھ تمہاری عداوت اتنی ہے کہ اسلام میں نو سال کے بعد ہی تم اس قبضہ کو منسوخی کی علامت قرار دیتے ہو۔ جب اتنا قبضہ ہو جائے جتنا یہودیت اور عیسائیت کے زمانہ میں رہا۔ تب تو کسی کا حق بھی ہو سکتا ہے کہ کہے لو جی اسلام کے ہاتھ سے یہ ملک نکل گیا لیکن جب تک اتنا قبضہ چھوڑ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہوا تو اس پر اعتراض کرنا محض عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے بہائی ہیں جن کا اپنا وہی حال ہے جیسے ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ نہ آگا نہ پیچھا وہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ مکہ مسلمانوں کے پاس ہے مدینہ مسلمانوں کے پاس ہے اور یہ دو اہم اسلامی مراکز ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں ''چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں نو سو سوراخ'' تمہارے پاس تو ایک چپہّ زمین بھی نہیں جس کو تم اپنا مرکز قرار دے سکو۔ اسلام کا مکہ بھی موجود ہے۔ اور اسلام کا مدینہ بھی موجود ہے وہ تو ایک زائد انعام تھا۔ وہ ملک اگر عارضی طور پر چلا گیا۔ تو کیا اعتراض ہے؟

بہائیت 1844ء سے شروع ہے اور اب 1958ء ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ان کے مذہب کو قائم ہوئے ایک سو چودہ سال ہو گئے اور ایک سو چودہ سال میں ایک گاؤں بھی تو انہوں نے مقدس نہیں بنایا۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں حکومت حاصل نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے پاس بھی تو حکومت نہیں ہم نے تو چند سال میں ربوہ بنا لیا پہلے قادیان بنا ہوا تھا۔ اب ربوہ بنا ہوا ہے یہاں ہم آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔ اکٹھے رہتے ہیں۔ پھر فلسطین میں بھی کرمل پہاڑ کی چوٹی پر ایک پورا گاؤں احمدیوں کا ہے جس کا نام کبابیر ہے۔ بہائی بھی تو بتائیں کہ دنیا میں ان کا کوئی مکان ہے یا دنیا میں کسی

جگہ پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں؟ لیکن اسلام پر صرف نو سال کے قبضہ کی وجہ سے ان کے بغض نکلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام ختم ہو گیا اور اپنی حالت یہ ہے کہ عکہ کو مرکز قرار دیا ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ حدیثوں میں بھی پیشگوئیاں تھیں کہ عکہ ان کے پاس ہو گا اور تورات میں بھی پیشگوئیاں تھیں کہ عکہ ان کے پاس ہو گا اور تورات میں بھی پیشگوئیاں تھیں کہ اب عکہ میں بہائیوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور ان کے لیڈر شوقی افندی جو عکہ کی بجائے سال کا اکثر حصہ سوئٹزر لینڈ میں گذارا کئے وہ بھی وفات پا چکے ہیں۔ اور ان کے بعد ابھی تک بہائیوں کا کوئی قائم مقام لیڈر بھی تجویز نہیں ہوا۔ پھر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں اور کئی جاہل ان کے اعتراضوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔

غرض بابلیوں کے آنے اور رومیوں کے عارضی طور پر وہاں آ جانے کو جس کا عرصہ ایک دفعہ ایک سو سال اور دوسری دفعہ قریباً تین سو سال کا تھا۔ اگر موسیٰؑ اور داؤدؑ کے پیغام کے منسوخ ہونے کی علامت نہیں قرار دیا گیا تو اس وقت یہود کا عارضی طور پر قبضہ جس میں صرف چند سال گذرے ہیں اسلام کے منسوخ ہونے کی علامت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ تو اس کے صادق ہونے کی علامت ہے۔ جب اس نے خود یہ پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ ایک دفعہ مسلمانوں کو نکالا جائے گا اور یہودی واپس آئیں گے تو یہودیوں کا واپس آنا اسلام کے منسوخ ہونے کی علامت اسلام کے سچا ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا وہ پورا ہو گیا۔ باقی رہا یہ کہ پھر عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن کے ہاتھ میں کس طرح رہا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عارضی طور پر قبضہ پہلے بھی دو دفعہ نکل چکا ہے اور عارضی طور پر اب بھی نکلا ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں "عارضی طور پر" تو لازماً اس کے معنے یہ ہیں کہ پھر مسلمان فلسطین میں جائیں گے اور بادشاہ ہونگے۔ اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ پھر یہودی وہاں سے نکالے جائیں گے اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ سارا نظام جس کو یو این او کی مدد سے اور امریکہ کی مدد سے قائم کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیگا کہ وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور پھر اس جگہ پر لا کر مسلمانوں کو بسائیں۔

دیکھو حدیثوں میں بھی پیشگوئی آتی ہے۔ حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ فلسطین کے علاقہ میں اسلامی لشکر آئے گا اور یہودی اس سے بھاگ کر پتھروں کے پیچھے چھپ جائیں گے۔ اور جب کوئی مسلمان سپاہی کسی پتھر کے پاس سے گزریگا تو پھر پتھر کہے گا۔ کہ اے مسلمان! خدا کے سپاہی میرے پیچھے ایک یہودی کافر چھپا ہوا ہے۔ اس کو مار۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی اس وقت کسی یہودی کا فلسطین میں نام ونشان بھی نہیں تھا پس اس حدیث سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں یہودی اس ملک پر قابض ہونگے مگر پھر خدا مسلمانوں کو غلبہ دیگا اور اسلامی لشکر اس ملک میں داخل ہونگے اور یہودیوں کو چن چن کے چٹانوں کے پیچھے ماریں گے۔ پس عارضی میں اس لئے کہتا ہوں کہ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن کا حکم موجود ہے مستقل طور پر تو فلسطین عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن کے ہاتھ میں رہنی ہے۔ سو خدا تعالیٰ کے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ لازماً اس ملک میں جائینگے۔ نہ امریکہ کے ایٹم بم کچھ کر سکتے ہیں نہ ایچ بم کچھ کر سکتے ہیں۔ نہ روس کی مدد کچھ کر سکتی ہے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے۔ یہ تو ہو کر رہنی ہے۔ چاہے دنیا کتنا زور لگا لے۔

اس جگہ پر ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ اعتراض یہ ہے کہ یہاں وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ سے مراد آخری زمانہ ہے۔ مگر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیات میں بھی تو ایک وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ کا ذکر ہے جس میں رومیوں کے حملہ کا ذکر ہے تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ یہ جِئْنَابِکُمْ لَفِیْفًا رومیوں کے حملہ کے متعلق ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ کو عذاب کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اس صورت میں وعد الآخرۃ کو انعام کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ عذاب کی پیشگوئی کو انعام سمجھ لیا جائے اس جگہ تو فرمایا ہے کہ جب دوسری دفعہ والا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو تم کو تباہ کر دیا جائے گا اور اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ جب وعدہ الآخرۃ آئے گا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ وعدہ الآخرۃ اور ہے اور وہ وعدہ الآخرۃ اور ہے وہاں وعد لآخرہ سے مراد ہے موسوی سلسلہ کی پیشگوئی کی آخری کڑی اور یہاں وعدا لآخرہ سے مراد ہے آخری زمانہ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی پیشگوئی۔ پس یہ الفاظ گو ملتے ہیں لیکن دونوں کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ اور وعدہ ہے اور وہ اور وعدہ ہے۔ وہ وعدہ عذاب کا ہے اور یہ وعدہ انعام کا ہے اور انعام کا قائم عذاب کا وعدہ نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆☆☆

قصیدہ فریدۃ فی مدح الرسول ﷺ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے عربی قصائد میں سے جو آپؑ نے سید الاولین و الاخرین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں رقم فرمائے چند اشعار درج ذیل ہیں۔ (ایڈیٹر)

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللّٰهِ وَالْعِرْفَانِ
يَسْعٰى اِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْآنِ

يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ
تَهْوِيْ اِلَيْكَ الزُّمَرُ بِالْكِيْزَانِ

يَا شَمْسَ مُلْكِ الْحُسْنِ وَالْاِحْسَانِ
نَوَّرْتَ وَجْهَ الْبَرِّ وَ الْعُمْرَانِ

يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهُ وَ جَمَالُهُ
رَيَّاهُ يُصْبِيْ الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ
وَشُئُوْنُهُ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

فَاقَ الْوَرٰى بِكَمَالِهٖ وَ جَمَالِهٖ
وَجَلَالِهٖ وَ جَنَانِهِ الرَّيَّانِ

لَاشَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى
رَيْقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

تَمَّتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ
خُتِمَتْ بِهٖ نَعْمَاءُ كُلِّ زَمَانِ

يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ دَائِمًا
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَ بَعْثٍ ثَانِ

(کتاب آئینہ کمالات اسلام)

نورِ اوّلیں صلی اللہ علیہ وسلم

(مکرم ثاقب زیروی صاحب)

وہ روضۂ نبیؐ کے نظاروں کی روشنی
اُتری ہوئی زمیں پہ ستاروں کی روشنی

ہوتی ہے چاندنی سے بھی بڑھ کر حسین تر
اُس سرزمیں کے راہ گزاروں کی روشنی

فردوس رنگ و بُو ہے کہ صحرائے نجد ہے
کتنی نظر نواز ہے خاروں کی روشنی

ساری بصیرتیں ہیں محمدؐ کے نام سے
دیکھے تو کوئی دل کے دیاروں کی روشنی

اس جُوئے کہکشاں میں بڑی احتیاط سے
پھیلی ہوئی ہے نور کے دھاروں کی روشنی

غارِ حرا کو بھی نہ فراموش کیجئے
بُنیادِ حق ہے ایسے ہی غاروں کی روشنی

پھر گُلستاں میں گریۂ شبنم کا قحط ہے
پھر تیز ہو گئی ہے شراروں کی روشنی

ہو التفات کشتیٔ اُمت کے ناخدا
پھر دور ہو رہی ہے کناروں کی روشنی

دُنیا میں ہر قدم پہ ہے ثاقبؔ کی راہنما
اُس نورِ اوّلیںؐ کے اشاروں کی روشنی

درس الحدیث

آنحضرت ﷺ آخری شریعت لانے والے نبی ہیں

ماخوذ از چالیس جواہر پارے مولفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ اِنَّ مَسْجِدِیْ ھٰذَا اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ میں آخری نبی ہوں اور میری یہ (مدینہ کی) مسجد آخری مسجد ہے۔

تشریح: اس لطیف حدیث میں ہمارے آقا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی ایسا مصلح نہیں آ سکتا جو میری نبوت کے دور کو منسوخ کر کے اور میرے مقابل پر کھڑا ہو کر ایک نیا دور شروع کر دے بلکہ اگر کوئی آئے گا تو وہ لازماً میرا تابع اور میرا شاگرد اور میری شریعت کا خادم ہونے کی وجہ سے میری نبوت کے دور کے اندر ہوگا نہ کہ اس سے باہر۔ اس لطیف مضمون کو واضح فرمانے کے لئے ہمارے آقا ﷺ نے یہ الفاظ زیادہ فرمائے ہیں کہ "مَسْجِدِیْ ھٰذَا اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ" یعنی میری یہ (مدینہ والی) مسجد آخری مسجد ہے۔" اب ظاہر ہے کہ ان الفاظ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی واقعات اس کی تائید کرتے ہیں کہ آئندہ دنیا میں کوئی اور مسجد بنے گی ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ آئندہ کوئی مسجد میری مسجد کے مقابل پر نہیں بنے گی بلکہ جو مسجد بھی بنے گی وہ میری اس مسجد کے تابع اور اس کی نقل اور ظل ہوگی۔

اسی طرح اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ (میں آخری نبی ہوں) کے بھی یہی معنی ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو میری غلامی سے آزاد ہو کر میری نبوت کے مقابل پر کھڑا ہو اور میرے دین کو چھوڑ کر کوئی نیا دین لائے بلکہ اگر کوئی آئے گا تو میرا خادم اور میرا شاگرد اور میرا تابع اور میرا ظل اور گویا میرے وجود کا حصہ ہو کر آئے گا۔ اور یہی وہ گہرا فلسفہ ہے جو ایک قرآنی آیت میں آنحضرت ﷺ کا نام خاتم النبیین (نبیوں کی مہر) رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ خوب غور کرو کہ اگر آنحضرت ﷺ کی مدینہ والی مسجد کے بعد اسلامی ممالک میں کروڑوں مسجدوں کی تعمیر کے باوجود مَسْجِدِیْ ھٰذَا اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ (یعنی میری یہ مسجد آخری مسجد ہے) کا مفہوم قائم رہتا ہے تو آنحضرت ﷺ کی امت میں آپ کے کسی خادم اور شاگرد اور تابع کا آپ کی اتباع اور غلامی میں نبوت کا انعام پانا کس طرح ختم نبوت یا اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ (یعنی میں آخری نبی ہوں) کے منشاء کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے؟ پس یقیناً اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ میں خدا کا آخری صاحب شریعت نبی ہوں۔ جس کے بعد کوئی نبی میری غلامی کے جوئے سے آزاد ہو کر اور میرے دین کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا اور میری یہ مسجد آخری مسجد ہے۔ جس کے بعد کوئی اور مسجد میری مسجد کے مقابل پر نہیں بن سکتی۔ اور اگر غور کیا جائے تو آنحضرت ﷺ کی ارفع شان بھی اس بات میں نہیں ہے کہ آپ کو گذشتہ جاری شدہ نعمتوں کا بند کرنے والا قرار دیا جائے بلکہ آپ کی شان اس بات میں ہے کہ الگ الگ نہروں کو بند کر کے آئندہ تمام نہریں آپ کے وسیع دریا سے نکالی جائیں۔

یہی وہ لطیف تشریح ہے جو اسلام کے چوٹی کے علماء اور بڑے بڑے مجدد ہر زمانہ میں کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ صوفیاء کے سردار اور امام حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (ولادت ۵۶۰ھ وفات ۶۳۸ھ) فرماتے ہیں:۔

اَلنُّبُوَّۃُ الَّتِیْ اِنْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ھِیَ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ ...... (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

"یعنی وہ نبوت جس کا دروازہ آنحضرت ﷺ کے وجود سے بند ہو گیا ہے وہ صرف شریعت والی نبوت ہے۔"

حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ (وفات ۹۷۶ھ) جو ایک بڑے امام مانے گئے ہیں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّۃِ لَمْ تَرْتَفِعْ وَ اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ (الیواقیت الجواہر جلد اول صفحہ ۴۲)

"یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے مطلق نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ صرف شریعت والی نبوت بند ہوئی ہے۔"

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی "(وفات ۱۰۳۴ھ) جو اسلام کے مجددین میں نہایت ممتاز حیثیت کے مالک ہیں فرماتے ہیں:-

حصول کمالات نبوت مرتابعاں رابطریق تبعیت و وراثت بعد از بعثت خاتم الرسل منافی ختمیت اونیست فَلاَ تَکُنْ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ - (مکتوبات احمد جلد نمبر ۱ مکتوب نمبر ۲۷۱)

"یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے متبعین کیلئے آپ کی پیروی اور ورثہ میں نبوت کے کمالات کا حصول آپ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں ہے۔ پس تو اس بات میں شک کرنے والوں میں سے مت بن۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" مجدد صدی دوازدہم (ولادت ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ) جن کے علم وفضل اور علوم رتبت کا سکہ دنیا مانتی ہے۔ فرماتے ہیں:-

خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَیْ لَا يُوْجَدُ بَعْدَهٗ مَنْ يَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ عَلَى النَّاسِ - (تفہیمات الٰہیہ۔تفہیم نمبر ۵۳)

یعنی آنحضرت ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں آسکتا جسے خدا تعالیٰ کوئی نئی شریعت دے کر مبعوث کرے۔"

حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی "بانی دارالعلوم دیوبند (ولادت ۱۲۴۸ھ وفات ۱۲۹۷ھ) جو قریب کے زمانہ میں ہی بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ ان کا مدرسہ علوم مشرقیہ کی تعلیم کیلئے برعظیم ہندو پاکستان میں بہت بڑی عزت کا مالک ہے فرماتے ہیں:-

ایک خاص التجا

(مولانا الطاف حسین حالی کی مسدس سے)

اے خاصہء خاصان رُسُل وقت دعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتیٔ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
اے چشمہء رحمت بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ
دُنیا پہ تیرا لطف سدا عام رہا ہے
کر حق سے دُعا اُمّتِ مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دُعا تیری کہ مقبول خدا ہے

"عوام الناس کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد ہے اور سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر فی زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیّین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟...... اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ (تحذیر الناس صفحہ نمبر ۳ و نمبر ۲۸)

پس لاریب یہی نظریہ درست اور صحیح ہے کہ ہمارے آقا آنحضرت ﷺ کے وجود باجود میں نبوت اپنے کمال کو پہنچ چکی ہے اور دائمی شریعت کا نزول پورا ہو چکا ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں مگر وہی جو آپ کا خوشہ چین بن کر آپ کی غلامی میں آپ کی مہر تصدیق کے ساتھ نبوت کے انعام کا وارث بنتا ہے۔ کاش لوگ اس لطیف نکتہ کو سمجھیں!

☆☆☆☆☆

شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

(فرمودات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

''وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل و یاقوت اور زمرّد والماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ الغرض وہ کسی چیز ارضی وسماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا۔ یعنی انسان کامل میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی۔ یعنی اُن لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے تھے۔ اور امانت سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی وجسمانی ہیں۔ جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے اور انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْ مُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّو الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دے دیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے جیسا کہ ہم مضمون حقیقت اسلام میں بیان کر چکے ہیں اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید، ہمارے مولیٰ، ہمارے ہادی نبی اُمّی صادق مصدوق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔''

(آئینہ کمالات اسلام حصہ اردو صفحہ 138 تا 140)

اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں
لا جرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

حضورؐ کی زبان پر کبھی کوئی ایسی بات نہیں آتی تھی جو ناپسندیدہ ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زبان تبسم اور شگفتگی کے انداز

حضورؐ سب سے نرم خو اور ہر تنگی و سختی میں تبسم ریز رہتے تھے

(مکرم عبدالسمیع خان صاحب۔ ایڈیٹر الفضل ربوہ)

انداز گفتگو

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے انداز کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ یوں لگتے جیسے کسی مسلسل اور گہری سوچ میں ہیں اور کسی خیال کی وجہ سے کچھ بے آرامی سی ہے آپ اکثر چپ رہتے۔ بلاضرورت بات نہ کرتے۔ جب بات کرتے تو پوری وضاحت سے کرتے۔ آپ کی گفتگو مختصر لیکن فصیح و بلیغ پر حکمت اور جامع مضامین پر مشتمل اور زائد باتوں سے خالی ہوتی۔ لیکن اس میں کوئی کمی یا ابہام نہیں ہوتا تھا۔ نہ کسی کی مذمت و تحقیر کرتے نہ توہین و تنقیص۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت کو بڑا ظاہر فرماتے۔ شکر گزاری کا رنگ نمایاں تھا۔ کسی چیز کی مذمت نہ کرتے۔ نہ اتنی تعریف جیسے وہ آپ کو بے حد پسند ہو۔ مزیدار یا بدمزہ ہونے کے لحاظ سے کھانے پینے کی چیزوں کی تعریف یا مذمت میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا آپ کی عادت نہ تھی۔ ہمیشہ میانہ روی شعار تھا۔ کسی دنیوی معاملے کی وجہ سے نہ غصے ہوتے نہ برا مناتے۔ لیکن اگر حق کی بے حرمتی ہوتی یا حق غصب کر لیا جاتا تو پھر آپ کے غصے کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی آپ کو چین نہیں آتا تھا۔ اپنی ذات کے لئے کبھی غصے نہ ہوتے اور نہ اس کے لئے بدلہ لیتے۔ جب اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے کرتے صرف انگلی نہ ہلاتے جب آپ تعجب کا اظہار کرتے تو ہاتھ کو الٹا دیتے۔ جب کسی بات پر خاص طور پر زور دینا ہوتا تو ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے اس طرح ملاتے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو مارتے۔ جب کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھتے تو منہ پھیر لیتے۔ اور جب خوش ہوتے تو آنکھ کسی قدر بند کر لیتے۔ آپ کی زیادہ سے زیادہ ہنسی کھلے تبسم کی حد تک ہوتی یعنی زور کا قہقہہ نہ لگاتے۔ ہنسی کے وقت آپ کے دندان مبارک ایسے نظر آتے تھے جیسے بادل سے گرنے والے سفید سفید اولے ہوتے ہیں۔ (شمائل الترمذی باب کلام رسول اللہ)

پاک زبان

مسروق کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم عبداللہ بن عمرو کے پاس بیٹھے تھے (آنحضرت ﷺ کا تذکرہ ہو رہا تھا) عبداللہ بن عمرو ہمیں حضورؐ کی باتیں بتا رہے تھے کہ دوران گفتگو عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ حضورؐ کی زبان پر کبھی کوئی ایسی بات نہیں آتی تھی جو ناپسندیدہ ہو۔ کبھی کوئی فحش کلمہ کوئی بے حیائی کی بات ہم نے حضورؐ کی زبان سے نہیں سنی نہ حضورؐ کو ایسی عادت تھی نہ حضورؐ تکلفاً کوئی ایسی بات کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو تم میں سے اپنے اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔ (بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق)

گواہی

صحابہؓ کی گواہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کوئی بے حیائی کی بات خود کرتے تھے نہ اسے سننا پسند کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الادب باب لم یکن النبی فاحشا ولا متفحشا)

نرم خو

آنحضرت ﷺ کے متعلق آپ کے اہل بیت کا بیان ہے کہ آپ گھر میں بلند آواز سے کلام نہیں کرتے۔ نہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر برا مناتے ہیں بلکہ ایک لازوال بشاشت اور غیر مفتوح مسکراہٹ ہے۔ **کان الین الناس و اکرام الناس و کان ضحا کابساما** سب سے نرم خو اخلاق کریمانہ کی بارشیں برسانے والے اور ہر تنگی و سختی میں تبسم ریز ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص 365)

محتاط کلام

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس یہود کا ایک وفد آیا اور السلام علیکم کہنے کی بجائے کہا السام علیکم (یعنی تم پر ہلاکت ہو)۔ حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں کہ میں ان کی اس چالاکی کو سمجھ گئی اور کہا علیکم السام تم پر ہلاکت اور لعنت ہو۔رسول کریم نے فرمایا: اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

میں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں جو انہوں نے کہا تھا۔حضورؐ نے فرمایا میں نے سن لیا تھا اور علیکم کہہ دیا تھا۔میری بددعا تو ان کے حق میں سنی جائے گی۔ان کی بددعا میرے متعلق قبول نہیں ہوگی۔مگر اس تمام گفتگو میں حضورؐ نے تکلیف دہ اور چبھنے والے کلمات استعمال نہیں فرمائے۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب لم یکن النبی فاحشا صحیح بخاری کتاب الادب باب طیب الکلام)

تبسم اور شگفتگی تبسم ریز چہرہ

حضرت عبداللہ بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ مسکراتے ہوئے کسی اور شخص کو نہیں دیکھا۔(یعنی ہر وقت آپؐ کے چہرہ مبارک پر تبسم کھلا رہتا)۔

(ترمذی ابواب المناقب باب بشاشة النبی)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی زور کا قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔آپ کا ہنسنا تبسم کے انداز کا ہوتا تھا۔(بخاری کتاب الادب باب التبسم)

حضرت سماکؓ بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے جابرؓ بن سمرہ سے پوچھا کہ کیا آپ حضورؐ کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے؟ فرمایا بہت کثرت کے ساتھ حضورؐ فجر کی نماز پڑھانے کے بعد جائے نماز پر ہی سورج طلوع ہونے تک تشریف فرما رہتے تھے۔صحابہؓ آپس میں زمانہ جاہلیت کی باتیں یاد کر کے ہنسا کرتے تھے اور حضورؐ بھی ان کے ساتھ تبسم فرمایا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تبسمه)

حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو حضورؐ سے زیادہ مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ جب بھی مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے تھے۔

(شمائل الترمذی باب فی ضحك رسول الله)

مطہر مذاق

مزاح اور مذاق میں بسا اوقات جھوٹ یا کم از کم مبالغہ آمیزی کا غیر معمولی دخل ضرور ہوتا ہے۔مگر ہمارے آقا و مولیٰ اس کیفیت میں بھی سچائی کے نقیب اور پیغمبر تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کی۔یا رسول اللہ آپ بھی ہم سے مذاق اور مزاح فرماتے ہیں۔حضورؐ نے فرمایا:

''میں سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہتا''

ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے اپنے لئے سواری مانگی۔حضورؐ نے فرمایا ٹھیک ہے میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دے دوں گا۔اس نے کہا یا رسول اللہ میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا۔آپ نے فرمایا۔

''کوئی اونٹ ایسا بھی ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو''

(ترمذی ابواب البر والصلہ باب فی المزاح)

ایک بوڑھی عورت نے عرض کیا کہ حضورؐ کیا میں جنت میں جاؤں گی۔آپ نے فرمایا کہ جنت میں تو صرف جوان عورتیں جائیں گی وہ افسردہ ہوگئی تو فرمایا:

''جنت میں بوڑھے بھی جوان کر کے لے جائیں گے''

(شمائل ترمذی باب صفته مزاح رسول الله)

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی آپ نے اس کے شوہر کی بابت پوچھا تو اس نے نام بتایا۔جس پر آپ نے فرمایا۔وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے جونہی عورت گھر پہنچی تو اپنے شوہر کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے لگی تو اس کے خاوند نے کہا۔تجھے کیا ہو گیا ہے۔عورت نے جواب دیا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ تیری آنکھوں میں سفیدی ہے۔یہ سن کر اس نے کہا کیا میری آنکھوں میں سفیدی سیاہی سے زیادہ نہیں ہے۔

(شرف النبی از علامه ابو سعید نیشا پوری مترجم ص 109)

حضرت عائشہؓ سے کسی نے سوال کیا کہ حضورؐ جب گھر میں تشریف لاتے تو آپ کی کیا کیفیت ہوتی۔انہوں نے جوابدیا:

اذا خلا فی بیته کان الین الناس بساما ضحا کا

حضورؐ جب گھر میں ہوتے تو طبیعت میں از حد نرمی ہوتی اور چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا اور اس سے ہنسی اور خوشی پھوٹتی نظر آتی۔

(طبقات ابن سعد جلد 1ص 365باب ذکر صفته اخلاق رسول الله)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور ﷺ کے ساتھ سفر کر رہی تھی تو میں نے حضورؐ سے دوڑ کا مقابلہ کیا اور حضور سے آگے نکل گئی۔بعد میں میرا بدن بھاری ہو گیا تو پھر میں نے حضورؐ کے ساتھ دوڑ لگائی لیکن حضورؐ مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمایا۔اے عائشہؓ! یہ اس جیت کا بدلہ ہے جو تو نے مجھ پر پہلے حاصل کی تھی۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السبق علی الرجل)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے گوشت

کی یخنی نکال کر اس میں کچھ آٹا ملا کر اسے پکایا۔عرب میں یہ بڑا مقوی اور زود ہضم کھانا تھا جسے خزیرہ کہتے تھے۔ حضرت سودہ بھی وہیں تھیں اور نبی اکرم ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے سودہ سے کہا آؤ کھالو۔مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے پھر اصرار کیا انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ میں نے پھر کھانے پر اصرار کیا اور کہا کہ اگر تم اب بھی نہیں کھاؤں گی تو میں اسے تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ میں نے خزیرہ لے کر ان کے منہ پر لیپ کر دیا۔ حضور ؐ نے یہ ماجرا دیکھا تو ہنس پڑے آپ نے مجھے بٹھا لیا اور سودہ سے فرمایا کہ اب تم یہ خزیرہ عائشہ ؓ کے منہ پر مل دو۔ چنانچہ سودہؓ نے بھی از راہ مذاق ایسا ہی کیا۔ اور حضور ؐ خوب ہنسے۔

(شرح المواہب للزرقانی جلد4 ص271)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضور ﷺ سے کہا کہ آپ نے گزشتہ رات نماز میں مجھے اتنا لمبا رکوع کروایا کہ میں نکسیر پھوٹنے کے ڈر سے ناک پکڑے رہی۔ اس پر حضور ؐ مسکرائے۔ حضرت سودہؓ اکثر اوقات اس قسم کی باتوں سے حضور ؐ کو ہنسایا کرتی تھیں۔

(طبقات ابن سعد جلد8 ص54)

حضرت ابن عباس سے کسی آدمی نے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ مذاق بھی فرمایا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا۔ ہاں۔ اس آدمی نے دوبارہ دریافت کیا کہ کس قسم کا مذاق حضور ﷺ کیا کرتے تھے؟ جس پر ابن عباسؓ نے ایک واقعہ بطور مثال بیان کیا کہ:

ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی ایک حرم کو ایک طویل وعریض کپڑا اوڑھایا اور فرمایا اسے پہن کر اللہ کی حمد وثناء کرو اور دلہنوں کی طرح اپنے دامن کو گھسیٹ کر چلو۔

(کنز العمال جلد4 ص43)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ

میرے نام وہ جو لبِ اُفق پہ کرن کرن کا پیام تھا ' ترا نام تھا
شبِ تیرہ میں بھی وہ شب چراغ جو مجھ سے ہمکلام تھا ' ترا نام تھا

مرے اردگرد تھے خیمہ زن' سرِ شامِ غم کئی کہکشاؤں کے قافلے
مرے رتجگوں کے نظام میں مگر ایک ماہِ تمام تھا ' ترا نام تھا

کوئی شمس رُو' کوئی زہرہ وش' کئی نام عرشِ مقام تھے ' بڑے نام تھے
مگر ایک نام جہانِ اسم کا آخری جو امام تھا ' ترا نام تھا

تجھے چھو کے پیکرِ وقت کے خدو خال سارے سنور گئے تو امر ہوئے
کوئی پل نقیبِ سحر ہوا ' کوئی لمحہ محورِ شام تھا ' ترا نام تھا

وہ تو اپنی اپنی شناخت کا سرِ رہگذر کوئی ریزہ ڈھونڈنے آئے تھے
انھیں کیا خبر کہ ہر ایک منزلِ جستجو پہ جو نام تھا ' ترا نام تھا

مرے ہست ونیست کے باب میں کئی پرت ہیں جو ابھی تلک بھی کھلے نہیں
مگر اک کرشمہ جو زندگی کا جواز تھا سرِ عام تھا ' ترا نام تھا

میں جدھر گیا' میں جہاں بھی تھا مرے دن کٹے تری خوشبوؤں کے طواف میں
سرِ بزمِ حرف مرے سخن میں جہاں بھی حسنِ کلام تھا ' ترا نام تھا

(رشید قیصرانی)

ہم سے گھل مل کر رہتے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے ایک ممولا پال رکھا تھا جس سے وہ کھیلتا تھا اتفاق سے وہ مر گیا۔ ابو عمیر کو اس کا افسوس تھا۔ حضورؐ ان کو پیار سے چھیڑتے اور فرماتے **یا ابا عمیر مافعل النغیر**۔ ابو عمیر! وہ تمہارا ممولہ کیا ہوا؟

(شمائل الترمذی باب فی صفتہ مزاج رسول اللہ)

حضرت محمود بن ربیعؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضورؐ نے ایک ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر کلی کی۔ اس وقت میری عمر پانچ سال کی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب العلم باب متی صحیح سماع الصغیر)

آنحضرت ﷺ ایک روز صحابہ کرام ؓ کے جلو میں کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ آنحضرت ؐ اور دیگر حاضرین کھجوریں کھا کھا کر گٹھلیوں کو حضرت علی ؓ کے آگے رکھتے جا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے مزاحاً فرمایا کہ گٹھلیاں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ کھجوریں علیؓ نے کھائی ہیں۔ حضرت علیؓ بھی آنحضور ؐ کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے انہوں نے برجستہ کہا کہ مجھے دیکھنے والا یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں نے گٹھلیاں چھوڑ دی ہیں۔ جن کے سامنے گٹھلیاں نہیں وہ شاید مع گٹھلیوں کے کھا گئے ہیں۔

(نقوش رسول نمبر4 ص271)

☆☆☆☆☆

آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا فلسفہ

(از قلم حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ ماخوذ از حیات قدسی)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے ایک مضمون بعنوان بالا لکھا تھا۔ جو احباب کے فائدہ اور برکت کے لئے تحریر کیا جاتا ہے۔

درود شریف کی اہمیت اور عظمت

درود شریف کی اہمیت اور عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نماز کا فریضہ جسے ہر ایک مسلم کے لئے طرۂ امتیاز قرار دیا گیا ہے اور جس کی ادائیگی ہر مومن کے لئے ایسی ہی ضروری قرار دی گئی ہے جیسے قیام زندگی کے لئے غذا اور دفع علالت کے لئے علاج اور دوا۔ درود شریف کو اس دائمی اور ابدی عظیم الشان عبادت کا جزو قرار دیا گیا ہے اور جس طرح نماز کے لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں لفظ صلوٰۃ استعمال ہوا ہے اسی طرح یہی لفظ درود شریف کے لئے رکھا گیا ہے جس سے یہ امر قرین قیاس اور صحیح الامکان معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا نام صلوٰۃ نماز کے اسی جزو کی بناء پر رکھا گیا ہے جیسے بعض سورِ قرآنیہ کے اسماء ان کے بعض اجزاء کے نام پر رکھ دیئے گئے ہیں۔ علاوہ اس کے درود شریف کا نماز کے ہم اسم ہونے کی صورت میں پایا جانا اس کی اہمیت اور فضیلت کو جس اجلیٰ شان کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے۔ وہ مخفی نہیں۔

فضیلت درود

درود شریف بہترین حسنات کے ذخائر اور خزائن میں سے ہے اور اس سے بڑھ کر درود شریف کا پڑھنا اور کیا موجب حسنات ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے اپنا اور اپنے ملائکہ کا فعل قرار دیا ہے جس سے درود شریف پڑھنے والا مومن خدا تعالیٰ اور ملائکہ کا شریک فعل ہو جاتا ہے گو یہ دوسری بات ہے کہ ہر ایک کے درود شریف کی نوعیت جداگانہ ہے۔ درود شریف چونکہ مومنوں کا وصف ہے اس لئے درود شریف علامت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بھی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے تو خدا تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ یہ بشارت دراصل آیت قرآن مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا کے ماتحت ہے کہ ایک نیکی کی جزا کم از کم دس گنا زیادہ ملتی ہے لیکن عرفان اور نیت کی وسعت سے جزا کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے۔

درود شریف کا ماحصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا مطلب وہی ہے جو لفظ صلوٰۃ اور سلام سے ظاہر ہے۔ صلوٰۃ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت حمید و مجید کے لحاظ سے جو درود شریف میں دعائے صلوٰۃ کی مناسبت سے لائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حمد اور حسن ثناء اور آپ کی عظمت اور مجد کے لئے درخواست کرنے کے معنوں میں ہے۔ اولٰئک علیھم صلوات من ربھم کے ارشاد باری میں صلوات کے معنی حسن ثناء بھی ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے متعلق ثناء اور تعریف کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد ایسی رحمت بھی ہے کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو انواع واقسام کی تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا جاتا ہے ان معانی کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا مفہوم اور مطلب یہ ہوگا کہ سب مومن صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے ارشاد کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مخالفین اور کافرین کی مذمتوں اور غلط بیانیوں کے مقابل حسن ثناء اور مدح اور تعریف کی اشاعت کریں کیونکہ کافر اور مخالف لوگ اپنے برے پراپیگنڈے سے ظلمات اور تاریکی کے پردے حائل کرنا چاہتے ہیں تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور آپ کی نبوت ورسالت کی اصلی اور خوبصورت شان کو دیکھ کر لوگ مسلمان نہ ہو جائیں اس لئے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ جہاں مخالف لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر تاریکی کے پردے ڈال کر آپ کی اصل حقیقت کو چھپانا چاہیں تم مومن لوگ ان کے اعتراضات کی تردید اور ان کے غلط خیالات کا ازالہ کرتے ہوئے وہ سب تاریکی کے پردے ہٹا دو اور دنیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل حال اور حقیقی نور صداقت سے آگاہ کر دو تا ایک طرف تمہارے اس صلوٰۃ اور سلام سے آپ کے مخالفوں کی پیدا کردہ تاریکیوں سے باہر آجائیں اور دوسری طرف محقق اور طالبان حق آپ کی اصل اور پر حقیقت شان

سے آگاہ ہو کر اس حق کو قبول کر کے نور حاصل کر لیں۔

صلوٰۃ اور سلام کی چار قسمیں

غرض مومنوں کا صلوٰۃ اور سلام چار رنگوں کا ہو سکتا ہے اول یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں اور مخالفوں کے تاریک اور پر مذمت پراپیگنڈا کی تردید اور اس کا کماحقہ ازالہ کریں۔ اور بتائیں کہ آپ مذمم نہیں بلکہ محمدؐ ہیں اور آپ کاذب اور مفتری نہیں بلکہ خدا کے سچے نبی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ امام مہدی کے اصحاب پر ہر مجلس میں مہدی کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کریں گے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ مہدی کے مخالفوں کی طرف سے چونکہ جا بجا مخالفانہ ذکر ہوں گے۔ اس لئے اصحاب مہدی بطور ذبّ کے تردید کریں گے اور تبلیغ کی غرض سے مہدی کا ذکر بکثرت وقوع میں آئے گا۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے خلق عظیم کے سچے وارث بن کر پاک نمونہ اور پاک اخلاق کے ساتھ دنیا کو دکھائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نمونہ نہ تھا جو مخالف اور آپ کے دشمن کرتے ہیں بلکہ آپ کا نمونہ اور خلق وہ ہے جو مومنین کی پاک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم کو اپنے پاک نمونہ اور پاک اعمال سے ظاہر کر رہی ہے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ صداقت جو مومنین کے پاک نمونہ کے ذریعہ ظہور میں آئے گا۔ مخالفوں کو تاریکی شبہات سے باہر نکالے گا۔

تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ کے لئے دنیا کی ہر قوم کو دعوت دے کر آپ کے محامد اور محاسن سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے لوگوں کے آگے سے تاریکی جہالت کے پردوں کو اٹھایا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور صداقت کا ہر وقت اور ہر جگہ جلوہ حقیقت ظاہر کیا جائے۔

چوتھے۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بکمال تضرع وخشوع اور بکمال ارادت وصدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کیلئے دعائیں کی جائیں تاکہ تاریکی کے سب پردے اٹھا دیئے جائیں اور ہر ایک انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کا مظہر ہو کر آپ کی قوت قدسیہ کا جلوہ دنیا کو دکھائے اور تا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی وہ نسل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نمونہ سے منحرف ہو کر جہنمی زندگی کے اتھاہ گڑھے میں گر پڑی ہے دوبارہ آپ کی اتباع سے آدم کی طرح مسجود ملائکہ بننے کی مستحق ٹھہرے پس یہ صلوٰۃ اور سلام جو چار رنگوں کا ہے اگر مومن اس کی تعمیل کریں تو یہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار میں سے بنا دیتا ہے اور باوجود بعد زمانی اور مکانی کے ایسا مومن جو صلوٰۃ اور سلام کے مذکورہ کوائف سے اپنا درود شریف پیش کرتا ہے لاریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا اور کامل ناصر اور جماعت انصار میں اپنی خاص شان کا انصار ہوتا ہے۔

درود شریف سے صفات الٰہیہ کا ظہور

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس سے پہلے آتا ہے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔ ان دو آیتوں کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے مرسلوں کو معصوم تسلیم کرنا۔ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک اور سلامتی کے ساتھ ماننا ہی اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ سب کی سب اور کامل حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جس کی حمد کی یہ شان ہے کہ وہ سب عالموں کی ربوبیت کا فیضان ہر وقت نازل فرما رہا ہے اور جس کی ربوبیت کے ماتحت خدا کے مرسلوں کی بعثت ظہور میں آئی اور بالآخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عظیم الشان مرسل کو تمام دنیا کی قوموں اور سب عالموں کی ربوبیت کے لئے مبعوث فرمایا۔ تا خدا تعالیٰ کی حمد کے اظہار کے علاوہ دہریوں اور مشرکوں پر یہ ثابت کرے کہ تیرا رب جس نے اے رسول تجھے مبعوث فرمایا بہت بڑی عزت والا اور ان سب نقائص اور عیوب سے منزہ ہے جن کو اس قدوس اور سبوح ذات کی طرف جاہل مشرک اور دہریہ لوگ منسوب کرتے ہیں۔

پس صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے ارشاد میں صلوٰۃ کے علاوہ سلام بھیجنے کی غرض انہی معنوں میں ہے جیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے لئے جو الفاظ مسنونہ صلوٰۃ کے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی صفت حمید اور مجید کو پیش کیا گیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کی حمد اور مجد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرسل ہونے کی حیثیت اور آپ کی صداقت کے ظہور کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہے۔

آنحضرتؐ کے اغراض ومقاصد

درود شریف کو جب دعا کے طور پر پڑھا جائے تو چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض ومقاصد کو ملحوظ رکھ کر ان کی تکمیل کے لئے دعا کی جائے۔ آپ کے اغراض ومقاصد تین طرح پر ہیں ایک خالق کے متعلق دوسرے مخلوق کے متعلق

تیسرے نفس کے متعلق۔خالق کے متعلق آپ کا یہ مقصد ہے کہ اعلاء کلمة الله اور تعظیم لامر اللّٰہ کی شان دنیا میں ظاہر ہو۔مخلوق کے متعلق یہ کہ ہر انسان جو خدا تعالیٰ کی توحید کو اعتقادی اور عملی صورت میں پانے والا ہو جائے اور حق اللہ اور حق العباد کی امانت کو ادا کرنے والا اور تعظیم لامر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ کے فرائض کی ادائیگی کے لئے کامل نمونہ ہو۔خدا کے قرب اور وصل سے جنت کا وارث اور جہنمی زندگی سے نجات پانے والا بنے۔ ذاتی مقصد یہ ہے کہ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے مطابق آپ خدا تعالیٰ کے عرفان اور قرب و وصل کے مدارج میں جس قدر بھی بیش از بیش ترقی کے خواہشمند ہیں ان مدارج میں آپ کو ہر لحہ ترقی حاصل ہوتی رہے۔ چنانچہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌلَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی میں اس امر کی بشارت دی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترقی غیر متناہی مدارج کی شان رکھتی ہے۔

صلوٰۃ نسک حیات وممات

آیت کریمہ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلوٰۃ کو مقام استفاضہ پر اور حیات کے بالمقابل رکھا ہے اور نسکی یعنی آپ کی قربانی کو مقام افاضہ پر اور ممات کے بالمقابل پیش کیا ہے اس سے آپ کی زندگی کا اعلیٰ مقصد یہ بنایا گیا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے استفاضہ کا لامتناہی سلسلہ علی الدوام جاری ہے اور دوسری طرف آپ کی طرف خلق خدا کے لئے افاضہ کا غیر متناہی اور ابدی سلسلہ چلتا رہے اسی مقصد کو فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ میں بھی پیش کیا گیا ہے۔یعنی فصل سے استفاضہ کر اور انحر سے قربانی کا سلسلہ جاری رکھ جو تیری طرف سے خلق کے لئے افاضہ کی حیثیت میں ہے اس کے نتیجہ میں کوثر تجھے عطا ہو گا یعنی ہر طرح کے انعامات اور برکات کی وہ کثرت جو غیر متناہی اور گنتی وشمار کی حدود سے باہر ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی کو لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ اور عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ کے الفاظ میں بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری مخلوق کے متعلق آپ کی ہمدردی اور شفقت تو درکنار کافروں تک کے لئے جو آپ کے جانی دشمن تھے آپ کی ہمدردی اور قربانی کا یہ حال تھا کہ خدا تعالیٰ جو خالق فطرت اور عالم سر وعلن ہے شہادت دیتا ہے کہ آپ کافروں اور دشمنوں کی ہمدردی سے اس قدر گداز ہو رہے تھے کہ اپنی جان کو بوجہ شفقت اور مجاہدات شاقہ کے ہلاکت میں ڈالے ہوئے تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان شفقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے او رآپ کی محسنانہ اور کریمانہ عنائتوں اور مہربانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ پر درود شریف پڑھتے وقت آپ کے مقاصد کی تکمیل کیلئے دعائیں کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا درود

اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کا درود مومنوں سے الگ حیثیث رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ درود صفت رحمانیت کے افاضہ کے رنگ میں بلامحنت بلا کسی معاوضہ ومبادلہ کے پیش ہوتا ہے لیکن مومنوں کا درود ایک دعا اور روحانی مجاہدہ اور کوشش ہے جس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور معاوضہ صفت رحیمیت کے افاضہ کے ماتحت فیضان نازل ہوتا ہے اس طرح سے آنحضرت صلعم کو صفت رحمانیت اور صفت رحیمیت دونوں قسموں کے فیضان کا مورد بنایا جاتا ہاں یہ دوسری بات ہے کہ مومن اپنی نیت اور عرفانی وسعت سے اپنے درود میں اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے درود بلکہ جمیع انبیاء ومومنین کے برکات دعا اور انعامات ودعوات کو بھی شامل کر کے دعا کرے اس طرح کی دعا کے وسیع دائرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استفاضہ کے دائرہ کو وسعت دے اور اپنے درود میں صفت رحمانیت اور رحیمیّت کے فیوض کو جمع کر کے جامع حیثیت میں پیش کرے۔

النّبی اور آل کا لفظ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے ارشاد میں صرف النّبی کا لفظ لایا گیا حالانکہ درود شریف میں آل کا لفظ پیش کیا گیا ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے النّبی کی تشریح لفظ محمد اور آلِ محمد سے فرمائی ہے اور اس لئے کہ نبوّت کے لحاظ سے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے لئے نبی تھے لیکن شخصی حیثیت سے جب آپ تریسٹھ سال کی عمر تک پہنچ کر دینا سے رحلت فرما گئے تو شخصی وجود کی عدم موجودگی میں آپ کی قائم مقامی میں آلِ محمدؐ ہی کام کر سکتی تھی اور آلِ محمدؐ سے مراد آپؐ کی امت کے صدیق شہید، صالح اور خصوصاً امت کے مجدّدین جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مصداق ہیں اور خلفائے راشدین مہدیین ہیں اور چونکہ نبی بغیر امت کے نہیں ہوسکتا اس لئے النّبی کے لفظ کے بطن میں جب امت داخل ہے تو آل محمد جو نبی کے سچے وارث اور اس کی امانت کے سچے حامل ہیں کیوں داخل نہ ہوں اور جب النّبی اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے امت کے انصار کی دعا اور درود شریف کی نصرت کا مقتضی ہے تو آل نبی اور آل محمد جو محمدؐ رسول اللہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کی غرض سے ہی حاملِ امانت کی حیثیت میں کام کرنے والے ہیں ان

کو کیوں اس درود شریف میں شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا النّبی کے لفظ کی تشریح اور توضیح میں درود شریف میں محمد اور آلِ محمدؐ کے الفاظ کو پیش کرنا عین حکمت اور ضرورت کے اقتضاء کے ماتحت ہے اور تفسیر کے لحاظ سے نہایت ہی صحیح اور بہترین تفسیر لفظ النبی کی فرمائی گئی ہے۔

ایک سوال کا جواب

ہاں یہ امر کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ الخ کے الفاظ پڑھنے کی ضرورت کیوں اور کہاں سے پیدا کی گئی سو اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اور ساتھ ہی یہ دعا کی تھی کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ یُزَکِّیْھِمْ ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا جیسے ہم دونوں یعنی ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) تیرے خادم اور دین حنیف کی اشاعت وحمایت کرنے والے ہیں اسی طرح اس دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے ہماری ہی اولاد اور ذریت سے ایک امت مسلمہ بنانا اور اس میں ایک ایسا رسول بھی مبعوث فرمانا جو تیری آیات ان پر تلاوت کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو اعتقادی اور عملی اور حالات کے لحاظ سے پاک کرے۔

یہ وہ دعا ہے جس کے اثر اور نتیجہ کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ظہور میں آئی اور اسی کے ماتحت آپ کی امت جو امت مسلمہ ہے ظہور پذیر ہوئی پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے آپ کو یہ برکت ملی۔ کہ آپؑ کے برکات کا سلسلہ اور آپ کی ذرّیت اور اولاد کی برکات کا سلسلہ علی الدّوام قیامت تک کے لئے لمبا کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق دوسرے مقام میں بھی اس بات کا بطور برکت ذکر فرمایا۔ کہ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ اس دعا کی رو سے جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور نسل دنیا میں رہے گی امامت اور نبوت کا انعام آپ کی صالح اولاد میں جاری رہے گا اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کا سلسلہ قیامت تک قائم رہنے والا ہے۔ لہٰذا سلسلہ برکات امامت ونبوت بھی قیامت تک جاری رہنے والا ہے ہاں اس انعام کی محرومی کے لئے صرف ظالمین کو مستثنٰی کیا ہے۔ لیکن اس استثناء سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ایک غیر ظالم ذرّیت بھی اس انعام سے ابد تک محروم رکھی جائے۔

ان دونوں آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے اثر اور نتیجہ میں آپ کی نسل دو سلسلوں میں چلی اور دونوں کو انعامات امامت اور برکات نبوت سے مستفیض فرمایا گیا۔ ایک سلسلہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت مسیح پر ختم ہوا اور دوسرا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درود شریف کے الفاظ میں ابراہیم اور آل ابراہیم کے صلوٰت اور برکات کے لئے دعائیہ الفاظ پیش کرنا اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے انہی برکات کے سلسلہ کی غرض سے ہے۔

درود شریف کے پاک اثرات

امّت کی یہ دعا جو درود شریف کے الفاظ میں پیش کی گئی ہے اور جو خدا تعالیٰ کے امر اور ارشاد کے ماتحت مانگی جاتی ہے ایک قبول شدہ دعا ہے اس کی قبولیت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت بھی دی گئی۔ اسی بشارت کے ماتحت آپ نے فرمایا عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل اور فرمایا یُوْشِکُ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدَلًا وَاِمَامًا مَّھْدِیًّا یعنی میری امت کے علماء مجدّدین جو اسرائیلی انبیاء کی طرح مخصوص القوم اور مخصوص الزمان حیثیت سے مبعوث ہوں گے وہ اسرائیلی انبیاء کے نمونہ پر ہوں گے اور یہ برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ نسل کے لحاظ سے اس نمونہ پر عطا ہو گی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاقی سلسلہ کے ذریعہ عطا کی گئی اور مسیح موعود کی برکت جو امام مہدی ہو کر آنے والے ہیں اور جن کی بعثت دنیا کی سب قوموں اور قیامت تک کے لئے ہو گی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلۂ نسل کے لحاظ سے اس نمونہ پر عطا ہو گی۔ جو حضرت ابراہیم کو اسمٰعیلی سلسلہ اور آنحضرتؐ کے وجود باجود کے ظہور سے ملی سو خدا کے فضل سے آج اس زمانہ تک امت کی دعا اور درود کے پاک اثرات ظہور میں آچکے اور ایک طرف تیرھویں صدی تک ہر صدی کے سر پر مجدد دین کی بعثت سے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے رو سے اسحاقی سلسلہ کی برکت کا نمونہ ظاہر ہو گیا اور دوسری طرف اس چودھویں صدی کے سر پر سیدنا حضرت مسیح موعود و امام مہدی معہود علیہ السلام کی بعثت سے وہ دوسری بات بھی ظاہر ہو گئی جو اسمٰعیلی سلسلہ کی برکت کے نمونہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ظہور میں آئی اور جس طرح آپ کی بعثت اسرائیلی انبیاء کے بعد ظہور میں آئی اور شان میں بھی اسرائیلی انبیاء کی برکات سے بڑھ چڑھ کر ظہور میں آئی۔ اسی

طرح تیرھویں صدی تک کے مجددین جو اسرائیلی انبیاء کے نمونہ پر آئے ان سے مسیح موعود علیہ السلام بوجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مظہر اکمل اور بروز اتم ہونے کے پہلے کے سب مجددین سے افضل شان کے ساتھ ظہور فرما ہوئے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاتم الانبیاء ہونے کی خصوصیت ہے اسی طرح آپ میں خاتم الاولیا ہونے کی خصوصیت پائی جاتی ہے پس اس زمانہ میں اہل اسلام کے لئے بے حد مسرت اور خوشی کا موقعہ ہے کہ ان کا درود شریف پڑھنا بابرکت ثمرات اور مبارک نتائج کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔

رسول کریمؐ کی نبوت کی برکات

اگرچہ صدیقیت شہیدیت اور صالحیت کے مدارج کے لوگ بھی امت میں پیدا ہوئے لیکن النبی کے لفظ میں یصلّون علی النبی کے ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صدیقیت ۔ شہیدیت ۔ صالحیت اور اپنی مومنانہ شان کا جلوہ دکھاتے ہوئے جہاں بہت سے صدیق شہید صالح اور مومن پیدا کئے ۔ وہاں نبی بھی آپ کی اتباع سے آپ کی امت میں پیدا ہونے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آل محمد کو النبی کے لفظ میں داخل کر کے کمالاتِ نبوت میں بھی ظلی طور پر شامل ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا۔

درود شریف اور حضرت مسیح موعودؑ

درود شریف جس کے الفاظ نماز میں پڑھے جاتے ہیں ان پر غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنے والے مسیح موعود محمدیؐ ہیں نہ کہ اسرائیلی اور وہ اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ دعا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیمؑ کے برکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد کو عطا ہوں اور چونکہ مسیح اسرائیلی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اسرائیلی نبیوں میں سے ہیں اور آل ابراہیم میں سے، اس لئے درود شریف کی دعا سے یہ مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیمؑ اور آپؑ کی آل کی طرح ایک مسیح بھی دیا جائے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے مسیح کی طرح کا ایک اور مسیح دیا جانا ہے نہ یہ کہ وہی پہلا مسیح آپ کو دیا جانا ہے اگر پہلا مسیح آئے تو پھر کَمَا کا حرف تشبیہ جو پہلے مسیح کو مشبّہ کو چاہتا ہے نہ کہ پہلے مسیح کے عین کو وہ اپنے مفاد کے لحاظ سے باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ مشبّہ اور مشبّہ بہٖ کے درمیان مغائرت کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ تشبیہ کا فائدہ ہی کیا پس حرف کما نے اپنے مفاد سے یہ ظاہر کر دیا کہ آنے والا مسیح موعود پہلا مسیح اور اسرائیلی مسیح نہیں بلکہ اس کا مثیل ایک دوسرا مسیح ہے جو مسیح محمدی اور امت محمدیہ کا ایک فرد ہے جیسا کہ حدیث اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور حدیث حُلْیَتَیْن اور آیت استخلاف میں یعنے وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ الخ کے لفظ مِنْکُمْ اور کَمَا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت اور خلافت کے لئے جو شخص متعین ہوگا وہ امتِ محمدیہ کا فرد ہوگا۔ اس صورت میں مسیح اسرائیلی جو قرآن اور حدیث اور واقعات تاریخیہ کی رو سے فوت شدہ ثابت ہیں اگر انہیں زندہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نہیں بن سکتے اس لئے قرآن ۔ حدیث اور درود شریف کے الفاظ مِنکُمْ اور کَمَا اس امر کے لئے مانع ہیں کہ ایسا مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ بنے جو آپ کی امت سے نہ ہو۔

مسیح موعودؑ میں شانِ محمدیّت کا جلوہ

درود شریف کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم کی سب برکات کا مورد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمدؐ کو بنایا جانا ان معنوں میں ہے کہ آپؐ آدمؑ سے لے کر مسیح تک سب انبیاء کے کمالات اور برکات کے مورد بنائے گئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ کشف جس میں آپؐ نے بیت المقدس میں سب انبیاء کی امامت میں نماز ادا کی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی اتباع سے سب انبیاء کے کمالات منفرداً اور مجموعاً حاصل ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ علماء اُمّتی کانبیاء بنی اسرائیل کے ارشاد کے رو سے آپ کی امت کے مجددین میں سے ہر ایک مجدد کسی نہ کسی نبی کے کمالات کا وارث ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو مجدد اعظم ہیں جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء کی شان کے ساتھ سب انبیاء کے کمالات کے مجموعی طور پر وارث بنائے گئے بلکہ اس لحاظ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آل ابراہیمؑ سے ہیں۔ مسیح موعود آل محمدؐ میں سے ہونے کی وجہ سے کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ کے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات اور برکات کے بھی ظلی طور پر کامل وارث ہوئے۔

درود شریف کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی وحی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جو وحی درود شریف کے متعلق نازل ہوئی وہ یہ ہے صَلِّ علٰی محمد واٰلِ محمد الصلوٰة هو المربّی انی رافعک الیّ والقیتُ علیک مُحَبَّةً مّنی یعنی محمد اور آل محمد درود بھیج۔ درود ہی تربیت کر کے ترقی اور کمال بخشنے والا ہے میں تجھے بلند کروں گا۔ میں اپنی طرف سے تجھے محبت کا خلعت پہناؤں گا۔ حضرت مسیح موعود نے یہ ترجمہ خود فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے انسان عیسےٰ بلکہ موسیٰ کا مقام پا سکتا ہے۔ جس کا ثبوت میں تیرے وجود کو بناؤں گا۔
(براہین احمدیہ صفحہ 239)

پھر حقیقۃ الوحی کے صفحہ 128 پر فرماتے ہیں:۔

''ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں وہ بغیر وسیلہ نبی کریمؐ کے مل نہیں سکتیں جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (اس کی طرف وسیلہ طلب کرو) تب ایک مدّت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں کہ هٰذَا بِمَا صَلَّیْتَ عَلٰی مُحَمَّدٍ یعنی یہ اس کی وجہ سے ہے جو تم نے محمدؐ پر درود بھیجا ہے''

درود شریف کی برکات

درود شریف پڑھنے کے بہت سے فوائد ہیں منجملہ دیگر فوائد کے ایک یہ بھی ہے کہ درود شریف کی دعا چونکہ قبول شدہ دعا ہے اس لئے اگر اپنی ذاتی دعا سے پہلے اور پیچھے اس کو پڑھ لیا جائے تو یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے معنوں میں قبولیت دعا کے لئے بہت بھاری ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ بنی نوع انسان کی شفقت کی وجہ سے ہر ایک انسان کی زندگی کے بہترین دینی و دنیوی مقاصد کے حصول کے خواہاں ہیں اس لئے آپ ہی کے مقاصد میں اگر اپنے مقاصد کو بھی شامل کر کے درود شریف پڑھا جائے تو یہ امر بھی قبولیت دعا اور حصول مقاصد کے معنوں میں نہایت مفید ہے کوئی مشکل امر جو حاصل نہ ہو سکتا ہو درود شریف پڑھنے سے اس صورت میں حاصل اور حل ہو سکتا ہے کہ درود شریف پڑھنے سے جو دس گنا ثواب جزا کے طور پر ملتا ہے اس ثواب کو مشکل کے حل ہونے کی صورت میں جذب کیا جائے اس طرح ضرور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

قرب الٰہی کا عجیب وغریب ذریعہ

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو معراج بھی قرار دیا ہے اور درود شریف نماز کا جزو ہے اس لئے درود شریف معراج کے معنوں میں قرب الٰہی اور وصل الٰہی کے منازل تک پہنچانے کے لئے عجیب ذریعہ ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج خدا تعالیٰ کے قرب اور وصل کے لحاظ سے اس مقام اور مرتبہ پر پہنچے جہاں کے لئے فرمایا کہ لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ وَّلَا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ یعنے خدا کی معیت اور حالتِ وصول کے لحاظ سے مجھے وہ وقت بھی میسّر آ جاتا ہے کہ میں قرب اور وصل الٰہی کے اس بلند تر اور قریب تر مرتبہ پر ہوتا ہوں جہاں نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کسی ملک مقرّب کی رسائی ہے بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے تو آپ نے فرمایا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ کہ ہر قسم کی قولی اور بدنی اور مالی قربانی خدا ہی کے لئے ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ گویا سلام رحمت اور برکات ہر سہ امور خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش کئے گئے۔

اب ان الفاظ کے پڑھنے کا موقعہ نماز میں قعدہ اور تشہد ہے۔ تشہد سے مرتبہ شہود کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک مومن نماز کے ذریعہ جو معراج المومنین ہے تشہد کی آخری منزل میں قرب اور وصلِ الٰہی کے مرتبہ کو حاصل کرنے والا ہے چنانچہ مومن کا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ کے الفاظ کو خدا کے حضور پیش کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظلّیت میں آپ کی مظہریت اور فنا فی الرسول کے مرتبہ کو حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ اصالةً اور حقیقةً آپ کا ہے اور اس پر جو شخص بھی فائز ہو گا ظلی اور بروزی طور پر ہی ہو گا اور جب مومن اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کرتا ہے تو اس وقت یہ فنا فی اللہ کی حیثیت میں خدا تعالیٰ کی ظلیت کی چادر پہن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔

پس درود شریف ان معنوں کے لحاظ سے نماز کی اس حقیقت پر بہترین دلالت ہے جو معراج کے
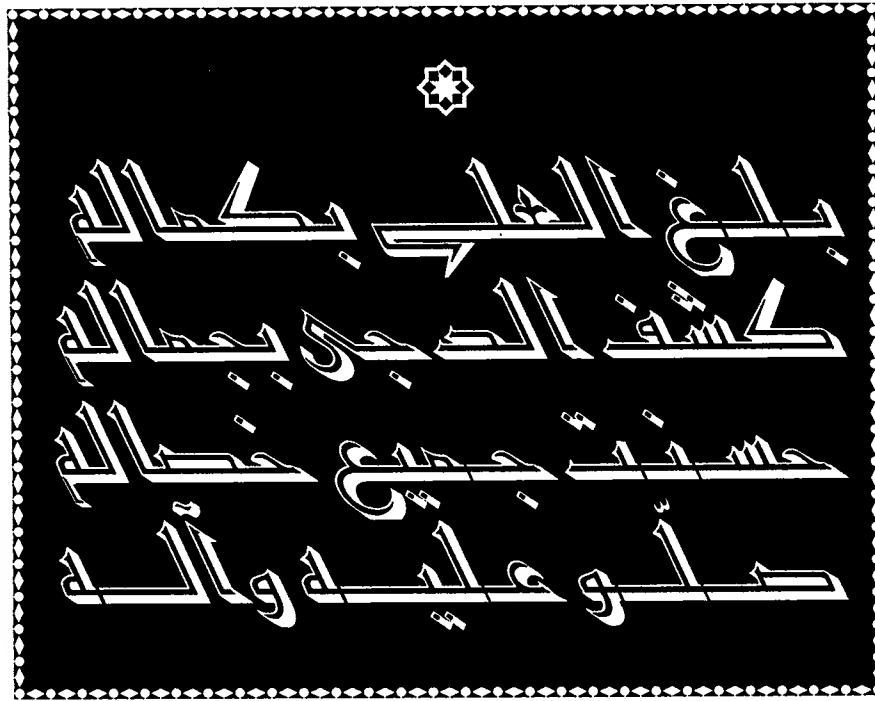
معنوں پر اشتمال رکھتی ہے کیونکہ درود شریف سے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ اور اللہ اور رسول کی ظلیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے وھو المراد رزقنا اللّٰہ ھٰذا المرام

اسی طرح وہ سب مومن جو نماز کے معراج کی برکات سے متمتع ہوتے ہیں وہ سب کے سب آلِ محمدؐ میں داخل ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ کے سلام میں جو بالفاظ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیش ہوا۔ آپؐ نے اسے اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ ہی اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ فرما کر اس سلام میں اپنی آل کو بھی جو عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ہیں شامل فرما لیا اور جیسے یصلّون علی النبی کے ارشاد میں النبی کے لفظ کے نیچے محمد اور آلِ محمد کو پیش کیا اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کے فقرہ میں لفظ نبی کے نیچے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ فرما کر علینا کی ضمیر متکلم جو مجرور واقع ہوئی ہے اس سے عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کی شمولیت کی وضاحت فرما دی کہ النبی اپنے سلسلہ نبوت کے امتداد کے لئے عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کے وجود کا باضرور متقضی ہے تا نبی کی شخصی زندگی کے خاتمہ کے بعد آلِ نبی اور عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اس کی تعلیم اور امانت نبوت کے حامل پائے جائیں سو جس طرح السلام علیک ایھا النبی الخ کے فقرہ کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ فرما کر نبی کے ساتھ عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کا الحاق فرمایا اسی طرح اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ میں وعلی محمد کے الحاق کو پیش کیا اور سلام کے الفاظ میں جنہیں عِبَادِاللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کے وصف سے نامزد کیا۔ انہیں صلوٰۃ والی عبارت میں آلِ محمد کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔ اس وضاحت اور الحاق سے آپ کی اُمید افزاء بشارت نے بتا دیا کہ جو کمالات قربِ الٰہی اور وصلِ الٰہی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہیں وہ سب کے سب ظلی طور پر آپ کی آل کو وراثتاً عطا ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ الصلوٰۃ معراج النبی نہیں فرمایا بلکہ الصلوٰۃ معراج المومن فرمایا۔ کہ اس معراج میں ہر ایک مومن اپنے نبی کی اقتدا میں ظلی طور پر حصہ دار ہے۔

ایّھا النبّی کے خطاب میں ایک خاص نکتہ

یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فوت ہو چکے ہیں اور حاضر نہیں پھر آپ کو التحیات میں بیٹھ کر ایھا النبی کے صیغہ مخاطب سے پکارنا کس وجہ سے ہے؟ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ خطاب شخصی حیثیت سے نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ نہیں کہا جاتا اور جہاں درود شریف میں محمدؐ کا لفظ لایا گیا ہے وہاں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وعلی ال محمد کے الفاظ سے خطاب خدا تعالیٰ سے کیا ہے اور محمد اور آلِ محمد کو صیغہ غائب کی حیثیت میں پیش کیا ہے ایھا النبی کے صیغہ خطاب کو لانے سے یہ مدّعا ہے کہ مومن نماز کے آخری نتیجہ میں اور اس کے آخری حصہ میں روحانیت کے اس بلند تر مقام کو جس کے حصول کے لئے نماز کو معراج بتایا گیا ہے حاصل کر کے صرف شخصی حیثیت کے محمد کو نہیں بلکہ محمدؐ بشانِ نبوت کو اپنی ظلیت کے مرتبہ پر مشاہدہ کرے اور انوارِ نبوت کو مشاہدہ کرتے ہوئے النبی کو پردہ غائب میں نہیں بلکہ مرتبہ شہود میں انکشاف سرِّ حقیقت وحقیقت سرِّ نبوت مُنہ سے یہ کہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

پس یہ خطاب اور صیغہ مخاطب صرف قال کے لحاظ سے نہیں بلکہ حال کے لحاظ سے بھی ہے۔ خدا تعالیٰ ہر مومن کو یہ مرتبہ عطا کرے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

معاہدات نبوی ﷺ

(مکرم محمد زکریا صاحب ورک کینیڈا)

حضرت محمد مصطفیٰ (فداہ نفسی و روحی) ﷺ کا عہد حکومت بائیس سال (611ء۔ 632ء) کے عرصہ پر پھیلا ہوا ہے یوں تو آپ حضور کی ساری حیات طیبہ نہایت مصروف گزری لیکن ہجرت کے بعد کے دس سال کا عرصہ بہت ہی مصروف گزرا۔ یہی وہ دس سال ہیں جن میں سرور کائنات ﷺ نے ایک نئے شہر میں جا کر اپنے آپ کو اور اپنے متبعین کو آباد کیا مزید برآں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے وہ معاہدات کئے جن کی تفصیل یہاں مطلوب ہے۔

معاہدات کی تفصیل کو احاطۂ تحریر میں لانے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی سیاسی حالت کا معمولی سا خاکہ پیش کیا جائے تا قاری کو معاہدات کے سمجھنے اور تعبیر کرنے میں آسانی ہو نیز وہ وجوہات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں جن کی بنا پر آپؐ نے معاہدات کئے۔

اس زمانہ میں تمام جزیرہ نمائے عرب قبیلوں میں منقسم تھا۔ لوگ مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔ ہر قبیلہ کی اپنی سیاسی حکمرانی اور ایڈمنسٹریشن تھی پورے عرب میں کوئی مرکزی (وفاقی) حکومت نہ تھی۔ ماسوا مکہ کے جو ایک خودمختار شہر مملکت تھا۔ شہر کا رقبہ تو چند مربع میل پر مشتمل تھا لیکن شہر کا مرکزی نظام قریباً 125 میل کے رقبہ پر حاوی تھا۔ مکہ میں اس زمانہ میں 25 کے قریب مرکزی دفاتر تھے جن میں مذہبی امور مالیات۔ امور خارجہ۔ عدلیہ قابل ذکر ہیں۔

مکہ کے برعکس مدینہ شہر میں انتشار ہی انتشار تھا۔ لوگ قبیلوں میں منقسم تھے۔ عربوں میں اوس و خزرج کے بارہ قبائل تھے جبکہ یہودیوں کے دس قبائل بنو قینقاع۔ بنو نظیر اور بنو قریظہ میں منقسم تھے۔ تمام قبائل کی آپس میں رقابت نسل در نسل چلی آ رہی تھی۔ بعض عربوں نے یہودیوں کے ساتھ معاہدات کر رکھے تھے۔ جس پر دوسرے عربوں کی ایسے عربوں کے ساتھ چپقلش رہتی تھی چنانچہ وہ بھی یہودیوں کے ساتھ معاہدے کر لیتے۔ یہی انتشار اور رقابت تھی جس کی بنا پر بعض قبائل قریش مکہ کی مدد کے امیدوار رہتے تھے۔

مکہ میں مختلف زمانوں میں مختلف قبائل کی حکمرانی رہی۔ سرور کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت قریشی خاندان کی مکہ پر حکمرانی تھی۔ آنحضورؐ کے پردادا کے دادا قصیٰ Qussaiy کا وجود قریشی خاندان کے لئے ایک چمکدار ستارہ کی حیثیت رکھتا تھا جس نے حکمرانی کا آغاز کیا۔ انہوں نے گویا بادشاہ کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ قصیٰ نے مکہ کی گورنمنٹ میں اہم تبدیلیاں کر کے سپریم پاور حاصل کر لی تھی۔ قصیٰ نے فوڈ سپلائی۔ حاجیوں کے لئے پانی کے انتظام۔ کعبہ کی کنجیوں کا رکھنا۔ شہر کا دفاع۔ پرچم کا آغاز۔ فوج کا محکمہ۔ وزارتوں کا قیام نیز دارالندوہ کا قیام (ہاؤس آف کامنز) جس میں انصاف و انتظامیہ کے امور پر بحث ہوتی یہ تمام انجمنیں قصیٰ نے آج سے صدیوں سال قبل قائم کی تھیں۔

قصیٰ نے رحلت سے قبل اپنے سیاسی فرائض اپنے بچوں میں تقسیم کر دیئے جس سے دس قبائلی سرداروں کی حکومت قائم ہو گئی اور مرکزیت ختم ہو گئی اور آپس میں خانہ جنگی کی صورت رہنے لگی۔ عہد نبویؐ کے آغاز پر عبد مناف کے خاندان میں سے بنی ہاشم (حضورؐ اس خاندان سے تھے) اور بنی امیہ (ابو سفیان اس قبیلہ سے تھا) میں رقابت تھی۔

جوانی میں آنحضورؐ کا نیشنل لیگ کا ممبر بننا

رسول پاک ﷺ جب بیس سال کی عمر کے تھے تو آپؐ نے پہلی جنگ میں شرکت فرمائی۔ اسی زمانہ میں آپؐ ایک سوسائٹی جس کا نام ''حلف الفضول'' تھا کے رکن بنے۔ حلف الفضول کا نام اس کے اولین بانیوں فضل فضیل اور مفضل کی وجہ سے تھا۔ اس سوسائٹی کا اجراء ''حرب فجار'' کے بعد آپؐ کے چچا اور مکہ کے مشہور لیڈر جناب زبیر ابن عبدالمطلب نے کیا۔ قریش کے مختلف خاندانوں سے معززین۔ عبداللہ ابن جدعان کے گھر اکٹھے ہوئے اور درج ذیل عہد کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:-

" بـالله لينونن يدا واحدة مع المظلوم على الظالم حتى يودى اليه حقه مابل بحره صـوفة و مـادسـى حـراء و شبير مكانهما و على التاسى فى المعاش۔"

(1) یعنی حدود شہر میں وہ کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے (شہری ہو یا اجنبی)

(2) مظلوم کی مدد کر کے ظالم سے اس کا حق دلائیں گے آنحضورؐ کو اس سوسائٹی کے ممبر ہونے کا بڑا فخر تھا۔ اور فرماتے تھے۔

''اگر اب بھی زمانہ اسلام میں مجھے اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑوں گا۔''

آئین مدینہ

(Charter of Medina)

آنحضرت ﷺ نے ستمبر 622ء میں مدینہ پہنچتے ہی ہجرت کے پہلے سال میں ایک ڈرافٹ تحریر فرمایا۔ جس میں ایک حکمران کی مراعات۔ فرائض۔ ضرورت مندوں کے لئے سوشل انشورنس کا ذکر تھا اس آئین کی 52 دفعات ہیں جس کی زبان اس زمانہ میں مروجہ قانونی زبان کا معراج ہے۔

آئین مدینہ کا پس منظر

جب مکہ والوں نے حضور مقبولؐ کی تعلیمات و عقائد سنے تو وہ لوگ آپ سے نفرت کرنے لگے رفتہ رفتہ یہ نفرت دشمنی کی صورت اختیار کر گئی۔ آپؐ کے خاندانی تعلقات۔ طائف اور مدینہ میں تھے۔ چنانچہ مکہ والوں کی مخالفت کے پیش نظر آپؐ نے اہل طائف کو پیغام حق پہنچانے کے لئے ہجرت فرمائی اور طائف چلے آئے۔ مگر وہاں دشمنی مکہ والوں سے بڑھ کر ہوئی۔ آپؐ کے متبعین میں سے کئی ایک ابھی مکہ میں مقیم تھے وہاں بھی ایذا رسانی اس حد تک بڑھ گئی کہ لمحہ لمحہ دوبھر ہو گیا۔ شہر چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ طائف میں قیام کے دوران آپؐ مدینہ کے چند ایک شہریوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ آپؐ کو ساتھیوں سمیت مدینہ ہجرت کرنے پر پناہ دیں گے مہاجرین کی تعداد صرف چند سو تھی جبکہ مدینہ کی کل آبادی پانچ سے دس ہزار تھی جس میں یہودی نصف کے قریب تھے۔

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ کے سامنے درج ذیل مسائل فوری توجہ کے تھے:۔

(1) مہاجرین کی آبادکاری

(2) یہودیوں کے ساتھ تعلقات

(3) مدینہ کا دفاع

(4) شہریوں کے اور مسلمانوں کے حقوق و فرائض۔

(5) مکہ والوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے مالی و جانی نقصان کا معاوضہ۔

چنانچہ آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد دستور تحریر فرمایا جس کو آخری صورت صحابہؓ کے مشورہ سے دی گئی۔ یہ آئین فی الحقیقت Declaration of the city تھا جس میں شہر کی ایڈمنسٹریشن کا ذکر تھا اور جس نے مدینہ کو City-State کی حیثیت دی۔

آئین مدینہ کی بعض اہم دفعات

(1) مسلمانوں کو ایک منفرد سیاسی گروہ مانا گیا جو انصار اور مہاجرین پر مشتمل ہے یہ گروہ آپؐ کے احکامات کی تعمیل کرے گا۔

(2) جنگ اور امن کا فیصلہ پورا شہر کرے گا۔ شہر کا ایک وارڈ دشمن سے معاہدہ نہ کر سکے گا۔ ہر نوجوان جنگ لڑے گا۔ (ملٹری سروس) جنگ مختلف فوجی دستوں کے ذریعہ لڑی جائے گی۔ تا ایک دستہ لڑے تو دوسرا آرام کر سکے۔

(3) کوئی غیر مسلم کسی قریش مکہ کو پناہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کسی غیر مسلم کو مدد دیں گے۔

(4) جنگ کی صورت میں ہر قبیلہ اخراجات کا ذمہ دار ہوگا۔ شہر کا ایک وارڈ اگر اخراجات برداشت نہ کر سکے تو دوسرا وارڈ مدد کرے گا۔

(5) قتل کا بدلہ قتل سے لیا جائے گا ہاں ورثاء کو معاوضہ قبول کرنے کا حق ہوگا۔

(6) تمام مقدمات اور جھگڑوں کا فیصلہ آنحضورؐ کریں گے آپ کا فیصلہ آخری ہوگا۔

(7) مدینہ کے شہریوں کو رسول پاکؐ کی اجازت کے بغیر اعلان جنگ کی اجازت نہ ہوگی۔

(8) یہودی اپنے مذہب پر عمل کریں اور مسلمان اپنے مذہب پر

(9) فریقین جنگ اور امن دونوں حالتوں میں متحد رہیں گے۔

(10) ہر اجنبی یا مسافر جو کسی مدنی شہری کی پناہ میں آئے اس سے شہری کا سا سلوک کیا جائے گا۔

معاہدۂ حدیبیہ 06ھ

مدینہ میں مسلمان اکیلے تھے اور اتنی قوت نہ تھی کہ ایک وقت میں فزارہ و غطغان کے قبائل، خیبر کے یہودیوں، مکہ کے قریش سے مقابلہ کر سکتے مدینہ کی حفاظت اور مدافعت بھی ضروری تھی۔ اگر مسلمان مکہ والوں سے لڑیں تو خطرہ تھا کہ فزارہ و غطغان کے قبائل یا خیبر کے یہودی حملہ کر دیں گے۔ بعینہٖ اگر خیبر کے یہودیوں سے لڑا جاتا تو خطرہ تھا کہ مکہ کے قریش حملہ کر دیں گے گویا ایک وقت میں تین دشمنوں سے مقابلہ آسان اور عقلمندی نہ تھا۔ مسلمانوں کے لئے صرف ایک راستہ تھا کہ دشمنوں میں سے ایک سے صلح کر کے دوست یا کم از کم غیر جانبدار بنا دیا جائے اور پھر دوسرے سے دو ہاتھ کئے جائیں۔ یوں جب ایک ختم ہو جائے۔ تو دوسرے سے مقابلہ کیا جائے۔

مدینہ میں آباد مسلمان مہاجرین سبھی مکہ کے رہنے والے تھے ان کے رشتہ دار بھی وہاں تھے چنانچہ آپؐ نے حج کے مہینہ میں مکہ جانے، طواف کعبہ،

قربانی و عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپؐ کے ساتھ 1600۔آدمی تھے۔حج کا احرام آپؐ نے باندھا ہوا تھا۔قربانی کے جانور ساتھ تھے۔شروع میں جنگی ہتھیار ساتھ نہ لئے۔بعدازاں حضرت عمرؓ کے مشورہ سے فوجی مخزن منگوالیا۔آپ ؐ کا فی فوج مدینہ بھی چھوڑ آئے ایک مخبر جو مکہ والوں کے ارادے معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اس نے آ کر بتلایا کہ وہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔حضورؐ مقام حدیبیہ پر پہنچ گئے۔ جو مکہ سے 12 میل دور ہے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا مختار کل بنا کے بھیجا تا گفت وشنید کریں۔قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا۔ردوقدح کے بعد قریش کے کئی ایک مطالبات کو مان لیا گیا اور مندرجہ ذیل معاہدہ ہوا جس کی دفعات یہ ہیں:۔

(1) تیرے نام سے اے اللہ

(2) یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو میں طے پایا۔

(3) ان دونوں نے اس بات پر صلح کی کہ دس سال جنگ روک دی جائے جس دور میں لوگ امن سے رہیں۔ایک دوسرے سے رکے رہیں۔

(4) یہ طے پایا کہ محمد کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرہ یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان و مال کا امان ہوگا اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔

(5) یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی (یا سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد کے پاس آئے گا تو وہ واپس کر دیا جائے گا اور محمد کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

(6) یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح بندر ہیں گے اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی نہ اعلانیہ خود خلاف عہد دغا کریں گے۔

(7) یہ کہ جو محمد کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کرے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کریگا۔

(8) یہ کہ اس سال (مسلمان) واپس چلے جائیں گے اور مکہ نہ آئیں گے البتہ آئندہ سال ہم باہر چلے جائیں گے اور تو (آپ حضورؐ) اور تیرے ساتھی وہاں (مکہ میں) داخل ہو کر تین رات ٹھہر سکیں گے۔تیرے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا یعنی تلوار میان میں ہوگی اس کے سوا کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔

(9) یہ کہ قربانی کے جانور وہیں کے وہیں رہیں گے جہاں ہم نے ان کو پایا (یعنی مقام حدیبیہ پر) اور ان کو حلال کر دیا جائے گا۔اور ان کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کے لئے) نہ لایا جائے گا اور صراحت کے ہمارے اور تمہارے حقوق اور واجبات برابر کے ہوں گے۔

(مہر) محمد بن عبداللہ (مہر) سہیل بن عمرو

گواہان اسلام۔ ابوبکر۔ عمر۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔عبداللہ بن سہیل بن عمرو۔سعد بن ابی وقاص محمود بن مسلمہ۔ابوعبیدہ بن الجراح۔

گواہان قریش۔مکرز بن حفص وغیرہ

کاتب۔علیؓ ابن طالب۔

قریش مکہ کے لئے بظاہر یہ معاہدہ فتح اور مسلمانوں کے لئے شکست تھی مگر قرآن میں اس کو ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' کہا گیا۔حقیقت میں معاہدہ حدیبیہ سے آنحضور ﷺ کی دور اندیشی معلوم ہوتی ہے کیونکہ فی الواقعہ قریش مکہ نے یہ معاہدہ کر کے آپؐ کو (اور متبعین کو) ایک الگ فریق تسلیم کر کے آپؐ کی اتھارٹی کو تسلیم کر لیا جو یقیناً ایک سیاسی فتح (diplomatic success) تھی۔مسلمانوں کو اس معاہدہ سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ یہودی اپنے زبردست حلیف مکہ کے قریش کی مدد سے محروم ہو گئے اور آپ کو خیبر کی قوت توڑنے کا موقع مل گیا۔

(5) سـ07ـھ میں آپؐ نے خیبر کا محاصرہ فرمایا۔ یکے بعد دیگرے قلعے فتح ہوئے۔درج ذیل معاہدہ پر جنگ ختم ہوئی:۔

(1) جسم کے لباس کے ساتھ مع بیوی بچگان فوراً یہ لوگ خیبر سے چلے جائیں۔

(2) یہ کہ ہتھیار۔سونا۔چاندی۔فاتح کو دے دیئے جائیں۔

سـ09ـھ اس سال تبوک کا عظیم معرکہ پیش آیا جس میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی کسی معرکہ میں اتنے مسلمان کبھی شریک نہ ہوئے تھے چنانچہ مدینہ کے گردونواح میں چھوٹی چھوٹی بستیاں جرباء۔ اذرح۔متقاء۔تیماء یہودی بستیوں کے ساتھ حضور ﷺ نے معاہدات فرمائے۔

(1) جرباء واذرح سے معاہدہ

ان قبائل نے بغیر کسی جھگڑا یا لڑائی کے فی کس سالانہ ایک دینار جزیہ دینا منظور کر لیا۔

(2) تیماء سے معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من محمد رسول الله لبنى عـاديـا ان لهـم الـذمة و عـليهـم الـجزية ولاعـداء ولا جـلاء الـلـيل مد والنهار شدو كتب خالدبن سعيد.

(یہ تحریر اللہ کے رسول محمد کی طرف سے بنو عادیا کے لئے ہے ان پر ذمہ داری ہے ان پر جزیہ ہوگا۔نہ ظلم ہوگا نہ جلاوطنی۔رات اس معاہدہ کو دراز کرے گی تو دن اس میں شدت پیدا کرے گا۔خالد بن سعید

نے تحریر کیا۔)

(3) مقنا سے معاہدہ

درج ذیل دفعات قابل ذکر ہیں:۔

(1) اپنے غلام۔ جانور۔ کپڑے۔ نخلستانوں کی ربیع کی پیداوار۔ شکار ماہی کا 1/4 حصہ اسلامی حکومت کو ادا کریں گے۔

(2) ان کو جزیہ سے معاف کیا گیا۔

(3) گزشتہ و آئندہ خطائیں معاف ہوئیں انہیں جبری خدمت سے معاف کیا گیا۔

(4) ان کا سردار یا ان میں سے ہوگا۔ یا ''اہل رسول اللہؐ ''میں سے۔

جنگ خندق سے قبل کے معاہدات

رمضان یکم ہجری میں (ہجرت کے 6 ماہ بعد) آپؐ نے قریش سے متعلق اپنی سیاست طے کر لی تھی کہ ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک فوجی دستہ قبائل جہینہ کے علاقے بمقام عیص بھیجا وہاں کا سردار مسلمانوں کا حلیف تھا فوجی دستہ میں سب مہاجرین ہی تھے وہاں کے سردار مجدی بن عمرو الجہنی سے جو معاہدہ ہوا۔ ابن سعد نے اسے یوں لکھا ہے:۔

(الف) قبیلہ جہینہ سے معاہدہ

(1) انهم آمنون علی انفسم و اموالهم (ان کو ان کے جان و مال کی امان دی جاتی ہے)

(2) و ان لهم النصر علی منظلمهم او حاربهم الا فی الدین و الاهل ۔(جو ان کے خلاف جنگ کرے یا ان پر ظلم کرے اس کے خلاف ان کو مدد دی جائے گی۔ ماسوا دین اور اہل وعیال کے معاملہ میں)

(3) ولاهل بادیتهم من برمنهم و اتقی مالحاضر بهیم (اور ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو معاہدے کی تعمیل اور عہد شکنی سے اجتناب کریں وہی حقوق ہوں گے جو ان کی بستیوں میں رہنے والوں کے)

(4) و اللہ المسیتعان (اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے)

(ب) بنی حمزہ سے معاہدہ

قریش پر معاشی دباؤ کی واحد صورت یہی تھی کہ ان کے تجارتی کاروانوں کا رستہ بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسے قبائل جو ان کاروانوں کے راستوں پر تھے ان سے دوستی ضروری تھی۔

عیص۔ رابغ اور خرار کی بستیاں مدینہ کے جنوب مغرب میں ساحل پر واقع ہیں۔ یہاں سے قریش کے تجارتی قافلے شام و مصر جاتے آتے تھے آنحضورؐ 6ھ میں مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع کاروانی جنکشن بنام ابواء تشریف لے گئے۔ قریش کارواں کو روکنا مقصود تھا۔ مسلمان دیر سے آئے اور بنی حمزہ کے سردار ''محسن بن عمروؓ'' سے معاہدہ کیا جس کی دفعات حسب ذیل ہیں:۔

(1) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(2) هذا کتاب من رسول اللہ لبنی حمزہ (یہ تحریر اللہ کے رسول کی طرف سے بنی حمزہ کے لئے ہے)

(3) بانهم آمنون علی اموالهم و انفسم (انہیں ان کے مال اور جان پر امن ہوگا)

(4) و ان لهم النصر علی من دهمه بظلم (جو ان پر ظلم سے اچانک ٹوٹ پڑے اس کے خلاف ان کو مدد دی جائے گی)

(5) وعلیهم نصر النبی مابل بحر صوفة الا ان یحاربوا فی دین اللہ (اور ان پر واجب ٹھہرا کہ نبیؐ کی مدد اس وقت تک کریں جب تک سمندر سیپ کو گیلا کرتا رہے ماسوا اس کے کہ اللہ کے دین کے بارہ میں وہ جنگ کریں)

(6) و ان النبی اذا دعاهم لنصره اجابوه (اور یہ کہ نبیؐ جب ان کو مدد کے لئے بلائیں تو یہ آپ کو لبیک کہیں گے)

(7) علیهم بذالک ذمة اللہ و رسوله (ان پر اس بارہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذمہ ہے)

(8) ولهم النصر علی من برمنهم مااتقی (انہیں مدد اور اس شرط پر دی جائے گی کہ وہ وعدہ وفائی کرتے رہیں (بری باتوں۔ عہد شکنی) سے اجتناب کرتے رہیں)

(ج) بنوغفار سے معاہدہ

بنوغفار بھی بنوحمزہ کی ایک شاخ تھی۔ ابوذر غفاریؓ کا تعلق اسی سے تھا۔ بنوغفار سے حسب ذیل معاہدہ ہوا:۔

(1) انهم من المسلمتن (یہ کہ وہ مسلمانوں میں سے ہے)

(2) لهم ما للمسلمین و علیهم ما علی المسلمین (انہیں وہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو ان پر وہی فرائض ہیں۔ جو مسلمانوں پر)

(3) و ان النبی عقد لهم ذمة اللہ و ذمة رسوله علی اموالهم و انفسهم (یہ کہ نبی نے ان کے مالوں اور ان کی جانوں کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے)

(4) ولهم النصر علی من بداهم بالظلم (جو ان پر ظلم کے ساتھ پیش قدمی کرے انہیں ایسے (دشمن) کے خلاف مدد دی جائے گی)

(5) و ان النبی اذا دعاهم لنصره

اجابوا کا وعليهم نصرالا من حارب في الدين مابل بحر صوفة (یہ کہ نبیؐ جب ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں تو یہ لبیک کہیں گے اور ان پر نبیؐ کی مدد کرنا لازم ہوگا۔ بجز اس کے جو دین کے بارے میں جنگ کرے جب تک سمندر سیپ کو گیلا کر دے)

(6)و ان هذا الكتاب لايحول دون اثم (یہ تحریر کسی گناہ (کے مواخذے) میں آڑے نہ آئے گی)(ابن سعد)

(د) اشجع سے معاہدہ

یہ قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھا جو مدینہ کے شمال میں آباد تھا۔ یہ جگہ ایک ایک کاروانی جنکشن تھی مسلمان جب ان شاہراہوں کی نگرانی میں رفتہ رفتہ کامیاب ہو گئے تو جو لوگ سرائے پیشہ تھے وہ بے روزگار ہونے لگے چنانچہ اشجع قبیلہ نے اپنا وفد خود مدینہ بھیجا اور درج ذیل معاہدہ طے پایا۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

(1)هـذا مـاحـالف عليه نعيم بن مسعود بن حفيلة الاشجعي ۔(نعیم بن مسعود ذحیلہ اشجعی نے اس بات پر حلیفی کی)

(2)حـالف عـلى الـنـصر و النصيحة ما كان احد مكانه و مابل بحر صوفة ۔(اس نے مدد اور خواہی کے لئے آپؐ سے حلیفی کی جب تک احد پہاڑ اپنی جگہ مقیم رہے اور جب تک سمندر سیپ کو گیلا کرتا رہے)

(3)و كـتـب عـلـى (اس (معاہدہ کو) علی نے تحریر کیا)

(5) طائف والوں سے معاہدہ

یہ معاہدہ فتح مکہ (610ء) کے بعد طائف والوں سے ہوا جس کی دفعات حسب ذیل ہیں:۔

(1) مہربان رحم کرنے والے خدا کے نام سے۔

(2) یہ تحریر اللہ کے رسولؐ کی طرف سے ثقیف کے لیے ہے۔

(3) ان کی وادی حرام ٹھہری۔ وہاں کے درخت شکار۔ وہاں ظلم کرنا۔ چوری کرنا یا برائی کرنا سب کا سب حرام ٹھہرا۔

(4) ان کو فوجی خدمت کے لئے جمع نہیں کیا جائے گا نہ اس سے عشر زکوٰۃ لیا جائے گا۔ نہ ہی مال یا ذات کے بارے میں ان پر جبر کیا جائے گا۔

(5) ان کے پاس جو قید ہو گا وہ انہیں کا ہو گا۔ ان کو حق حاصل ہو گا کہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں۔

(6) جو ثقیف کے خلاف ظلم کرے تو ثقیف کو رسول کریم اور تمام مسلمانوں کی مدد حاصل ہو گی۔

(7) ان کا امیر (سردار) انہیں میں سے ہو گا۔

(8) ان لوگوں سے جو قرض وصول طلب ہو انہیں راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

(9) بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہو گا۔

(10) ثقیف کا جو حلیف ہو اس کو بھی ثقیف کے نئے طے شدہ امر حاصل ہو گا۔

(11) یہ مسلمانوں کا ہی گروہ ہیں جہاں چاہیں آ جا سکیں گے۔

(ابو عبیدؒ کتاب الاموال)

خلاصۂ کلام

گزشتہ صفحات میں بیان کردہ معاہدات سے یہ بات عیاں ہوئی کہ آپ حضور ﷺ کا مقصد زمین پر جنگ و جدل نہیں بلکہ امن و امان کا قائم کرنا تھا۔ معاہدات کا مقصد ہی امن پیدا کرنا ہوتا ہے چنانچہ مسلمان تاریخ دان تو کجا مغربی مستشرقین میں سے بھی کوئی اعتراض نہیں کر سکا کہ آپؐ نے کسی وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

بیان کردہ معاہدات کی قانونی۔ زبان۔ الفاظ کا ٹھیک استعمال، ان کی ترتیب آنحضور ﷺ کے علم کا ٹھوس ثبوت ہیں جو یقیناً خدائے واحد کی عطا تھا۔

یہ معاہدات اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ آپؐ کی زندگی کا واحد مقصد خدائے قہار کی بادشاہت اور حکومت اس دنیا میں قائم کرنا تھا۔ آپؐ کی اپنی ذات، یا ذاتی وقار یا شہرت یا طاقت سے ہرگز دلچسپی نہ تھی بلکہ آپؐ کا قوی ایمان اور یقین تھا کہ:-

(i)لـه مـلـك الـسـمٰوٰت والارض (سیپارہ27۔الحدید)

(ii)لله ميراث السمٰوٰت والاض۔ (الحدید)

(iii)له ما في السمٰوٰت والارض (البقرہ 256:)

کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ کی ہے۔

یہ معاہدات اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کہ آپؐ نے اللہ کی مشیت کے مطابق اللہ کی حکمرانی کی خاطر اپنے مشن کا آغاز کیا اور اللہ کی مدد سے آپؐ تادم وصال نہایت کامرانی سے اس مشن کی کامیابی کے لئے کوشاں رہے۔

ہمارے اس نتیجہ کی تائید میں آپ حضور ﷺ کا ایک واقعہ ٹھوس دلیل کا مرتبہ رکھتا ہے۔

قریش مکہ نے آپؐ اور آپؐ کے متبعین پر ہر وہ ظلم کر دیکھا جو ان کی سمجھ اور طاقت میں تھا لیکن جب یہ مظالم اور اذیتیں آپ کو اپنے مشن سے بدل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو قریش مکہ مجبوراً سوچنے لگے کہ آخر آپ کو کس طرح رام کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک تدبیر سوچی جس کے مطابق ”عتبہ“ نامی ایک لیڈر کو آپؐ کے پاس درج ذیل پیش کش کے ساتھ بھیجا گیا۔ اور وہ یوں آپؐ سے مخاطب

ہوا:۔

اے محمد! اگر تم عرب کے تخت پر بیٹھنا چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔

اگر تم کو دولت چاہئے تو ہم دولت دینے کو تیار ہیں۔

اگر تم کو کسی خوبصورت ترین عورت کا ہاتھ درکار ہے تو ہم تم کو یہاں کی خوبصورت ترین عورت دینے کو تیار ہیں۔

آنحضور ﷺ نے اس کو ان پیش کشوں کا جواب قرآن کی آیات سے دیا کہ میں تمہاری طرح کا ہی انسان ہوں۔ صرف مجھ پر خدا کا حکم نازل ہوتا ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک خدا ہے۔

یہ واقعہ دعویٰ نبوت کے بہت جلد بعد کا ہے اگر فی الواقعہ آپؐ کو سیاست سے دلچسپی ہوتی تو آپؐ بادشاہت قبول کر لیتے مگر نہیں۔ اللہ کا رسول ہمارے محبوب نبی ﷺ ایسی تمام دنیوی باتوں سے مبرا ہے۔

خدا کی حکمرانی کا قیام ہی وہ واحد مشن تھا جو آپؐ کے مقدس دل میں میخ کی طرح گڑا ہوا تھا اور وہ خدا۔ ہمارا پیارا خدا۔ جس کی خاطر آپؐ سب کچھ کر رہے تھے اس نے بھی آپؐ کو اکیلا نہ چھوڑا۔

آج کرہ ارض پر پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمان اپنی نمازوں میں صرف ایک شخص۔ ہاں صرف ایک شخص کا نام لیتے ہیں۔ لیتے رہے ہیں۔ اور لیتے رہیں گے۔ اور وہ ہے محمد مصطفیٰ ﷺ رحمتک الی الابد۔"

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر نبیؐ زبان پہ جاری اگر رہا
وجدو سُرورو کیف کا طاری اثر رہا

وہ خوش نصیب اُس کا مقدر سنور گیا
جس کا در حبیبؐ کی چوکھٹ پہ سر رہا

ہر اک سے بڑھ گیا وہ خدا کی جناب میں
روح الامین جس کے لئے نامہ بر رہا

ارفع مقام جس پہ فرشتوں کے پر جلیں
پہنچا، مگر نہ ساتھ کوئی ہم سفر رہا

دونوں جہاں کا شاہ، مگر عجز لاجواب
شفقت سراپا جود و کرم جلوہ گر رہا

دشمن نے خوب پائی لاتثریب کی نوید
عفوِ عظیم خاصہء خیر البشرؐ رہا

رحمت بخلق عام شفاعت کا در کھلا
صادقؔ نہ ایسا پہلے کوئی راہبر رہا

(صادقؔ باجوہ۔ میری لینڈ)

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں

خاموش علماء

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب)

دنیا کا دستور ہے کہ ہر سلسلہ میں بعض ایسے علماء موجود ہوتے ہیں جو اپنی خاموش طبعی یا فطری حجاب کی وجہ سے سامنے نہیں آتے مگر اپنے اپنے میدان میں علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ ان کی حیثیت ان کل پرزوں کی سی ہوتی ہے جو سامنے نہیں ہوتے مگر مشین کو قوت بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کل پرزہ کو نقصان پہنچ جائے تو ساری مشین کی قوت متاثر ہوتی ہے۔ انسانی تہذیب کی ترقی ایسے خاموش طبع عالموں کی رہین منت رہی ہے۔

ہم نے قادیان اور ربوہ میں بعض ایسے عالموں کو دیکھا اور ان سے حسب عمر واستطاعت استفادہ کیا، جو بظاہر بالکل خاموش طبع تھے مگر بہ باطن علم کا بحر بیکراں تھے۔

حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری

اپنے گھر میں حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری کا وجود سامنے تھا۔ آپ نہایت مسکین طبع او رخاموش طبع عالم تھے۔ عربی میں ان کا کہنا مستند سمجھا جاتا تھا مگر کبھی جو ان کے منہ سے تفاخر کی کوئی بات سنی ہو؟ نہیں! وہ تو ایسے حلیم الطبع تھے کہ ہم بچوں کو کسی بات پر سرزنش بھی کرنا پڑتی تو گھبرا جاتے۔

حضرت مولوی احمد خان صاحب نسیم

خود ہمارے ابا حضرت مولوی احمد خاں صاحب نسیم فرمایا کرتے تھے کہ ہم دیہاتی مبلغ ہیں۔ ایک بار مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب اباجی سے کہنے لگے آپ جلسہ سالانہ پر تقریر کیوں نہیں کرتے؟ اباجی نے کہا میں سٹیج کا آدمی نہیں ہوں۔ منگلا صاحب نے فرمایا آپ چک منگلا میں تو خوب تقریریں کرتے ہیں۔ اباجی نے فرمایا درست۔ مگر جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ چک منگلا کے جلسہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ یہ ایک علمی سٹیج ہے جہاں سے دنیا کی رہنمائی کے لئے علمی موضوعات پر سلسلہ کے علماء سلسلہ کا موقف پیش کرتے ہیں۔ ہم لوگ دیہاتیوں کے طور طریقوں سے دیہاتیوں تک پیغام پہنچاتے ہیں اور بس۔

حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری صاحب

حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری صاحب مانے ہوئے عالم تھے مگر سٹیج کے آدمی نہیں تھے۔ اگر کہیں جوانی میں سٹیج پر تقریر کی ہو تو وہ ہماری ہوش سے پہلے کی بات ہے۔ ہم نے سلسلہ کے اکثر علماء کو ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علمی مسائل سمجھتے دیکھا۔ ہماری موجودگی میں حضرت مولانا شمس صاحب، حضرت قاضی محمد نذیر صاحب حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی علمی مسئلہ پر ان کی رہنمائی چاہی اور ہمیں ہی خط دے کر بھیجا۔ حضرت میاں صاحب (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) کا استفسار بھی ہم نے ہی لکھا اور جواب میں بھی حضرت حافظ صاحب نے ہمیں ہی سے لکھوایا۔ جماعت کے علماء میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا مگر نئی نسل کو اس بات کا پتہ نہیں کہ حضرت حافظ مختار احمد شاہ جہانپوری صاحب نرے شاعر ہی نہیں تھے بہت متبحر عالم تھے۔ ایک بار سلسلہ کے کسی معاند نے حضرت بانی سلسلہ کے ایک شعر پر اعتراض کیا کہ اس میں ''کہ تا'' کا مرکب استعمال ہوا ہے جو سراسر غیر فصیح ہے۔ ہم بھی حاضر تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا میاں بتاؤ تو کس کس استاد شاعر نے یہ ترکیب باندھی ہے؟ ہمارا سارا علم غالب تک پہنچ کر ختم ہو گیا کہ

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

حافظ صاحب نے اساتذہ شعراء اردو کے کلام میں سے اپنی یادداشت سے خدا جھوٹ نہ بلوائے تو بیسیوں اشعار ہمیں سنادئے کہ لو ان اساتذہ نے ''کہ تا'' کی ترکیب باندھ رکھی ہے اور معترض صاحب نے کہ اپنے کو پڑھا لکھا صحافی جانتے ہیں کیسا بودا اعتراض کیا ہے۔ اب ایسے وجود کہاں مگر حضرت حافظ صاحب خاموش عالم تھے۔ گفتگو ایسی کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔

حضرت حافظ صاحب کی یادداشت کمپیوٹر جیسی تھی۔ حوالے انہیں یاد رہتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں حاضر تھا۔ حضرت حافظ صاحب کو کسی حوالہ کی ضرورت پڑی۔ ان کا کمرہ کتابوں کا کباڑ خانہ

لگتا تھا۔ فرمایا ’’میاں تمہی تکلیف کرو۔ یہ سامنے کتابوں کا جوڈھیر ہے اس میں چھٹے یا ساتویں نمبر پر فلاں کتاب پڑی ہے وہ اٹھاؤ اس کے صفحہ 315 پر آٹھویں یا دسویں سطر میں ایک حوالہ ہے وہ مجھے درکار ہے ذرا ہاتھ بڑھائیو۔‘‘ ہم حیران رہ گئے ۔ حافظ صاحب کی بات باون تولے پاؤ رتی تھی۔ حوالہ اسی مقام پر موجود تھا۔ آپ نے وہ حوالہ ملاحظہ فرمایا اور پھر کتاب ایک طرف رکھ دی۔ دو ہفتوں کے بعد اتفاق سے اسی حوالہ کی ضرورت پڑی تو کسی اور مقام پر رکھی ہوئی اس کتاب کا محل وقوع انہیں یاد تھا۔ ہم سمجھتے تھے ان کا کمرہ کتابوں کا کباڑ خانہ ہے مگر وہ تو کتب خانہ نکلا۔ اس کتب خانہ کی ساری کیٹیلاگ حافظ صاحب کے ذہن میں محفوظ تھی۔ ایسی یادداشت ہم نے بہت کم دیکھی۔ جاپان میں ایک لائبریرین کی یادداشت میں حضرت حافظ صاحب کی یادداشت کا پرتو نظر آیا مگر ان کا میدان ہی کتب خانہ تھا۔ ہمارے شعبہ اردو کی لائبریری، نئی عمارت میں منتقل ہو رہی تھی ساری کتابیں ڈھیر کی صورت میں بکھری پڑی تھیں۔ اتفاق سے جاپانی ٹی وی والوں کو ایک حوالہ کی ضرورت پڑی ان لوگوں نے ہم سے رابطہ کیا کہ فلاں حوالہ فوری طور پر درکار ہے کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟ ہم نے حامی بھر لی۔ شعبہ کی لائبریری میں پہنچے تو کتابوں کے کشتے کے پشتے لگے ہوئے دیکھے۔ ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ اب کیا ہوگا؟ لائبریرین صاحب سے رابطہ کیا کہنے لگی ساتویں قطار میں سولہویں نمبر پر آپ کی مطلوبہ کتاب موجود ہے۔ ہم نے دیکھا کہ موجود تھی۔ یہ صفت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ایسے عالم عطا کر رکھے تھے کہ اپنی ذات میں چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ ہمارے مولانا دوست محمد شاہد صاحب بھی کوئی کم حوالہ شناس نہیں۔ انہیں بھی ہزاروں حوالے یاد رہتے ہیں۔ ربوہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے ایک بزرگ لائبریری میں کام کیا کرتے تھے نام ذہن سے اتر رہا ہے۔ حکیم کہلاتے تھے غالباً حکیم فضل الٰہی؟ مولوی محمد صدیق صاحب ان کے بعد تشریف لائے۔ وہ بھی حوالوں کا خزانہ تھے۔ لائبریری کے کارکنوں میں سے عبداللہ اور سلیم اللہ ہمارے دیکھتے دیکھتے حوالوں کے خزانچی بنے۔ دونوں کارکن لائبریری کے ادنیٰ درجہ کے کارکن تھے مگر کتابوں کی ترتیب اور حواریوں کی تنقیح میں یہ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ بیچارے زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔

بات حوالوں سے چلی تو حوالوں کے حوالے دور نکل گئی۔ ایک اور خاموش بزرگ کو ہم نے دیکھا۔

حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری

دیکھنے میں نہایت مسکین طبع، چہرے پر ملائمت، دارالرحمت غربی کی البیت کے پاس ایک مکان میں رہتے تھے۔ ہمیں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے ان کی خدمت میں کسی کام سے بھیجا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ دریں گرو سوارے باشد۔ ہم ان کے تبحر پر حیران رہ گئے۔ کئی بار ان سے آمنا سامنا بھی ہوا مگر کبھی یہ خیال نہ گزرا کہ حضرت مولانا کتنے بڑے عالم ہیں۔ ایک کتاب ان کی چھپی ۔ نام بھی یاد نہیں۔ جامعہ احمدیہ میں غالباً استاد تھے۔ کیا پڑھاتے تھے علم نہیں۔ مگر انہیں کبھی نمایاں نہیں دیکھا۔ سرراہ ایک دو بار ملاقات ہوئی۔ نہایت تواضع سے تلطف فرمایا۔ تعارف ہونے کے بعد ملنا ہوتا تو ابا جی کا حال ضرور پوچھتے۔ ان کی وفات پر جماعت کے علمی حلقوں کی طرف سے ناقابل تلافی نقصان کی باتیں سنیں تو ان کے مرتبہ کا اندازہ ہوا۔

محترم شیخ روشن دین صاحب تنویر

اپنے روشن دین تنویر صاحب کو ہم اپنا دوست اور مہربان جانتے تھے اور ہیں۔ ان کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو ہماری ساری شاعرانہ یا ادیبانہ اکڑفوں دھری کی دھری رہ جاتی۔ ہماری عمروں میں بہت تفاوت تھا اس کے باوجود تلطف فرماتے تھے۔ کبھی کبھار بلا بھیجتے اور اپنا کلام سناتے۔ فرماتے تھے میں اکثر نظمیں براہ راست ساری جماعت کو سناتا ہوں مگر بعض نظمیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو پہلے تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔ تنویر صاحب نہایت بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے۔ ادبی دنیا میں بہت معروف تھے۔ احمدیت کی آغوش میں آئے تو سلسلہ کے اخبارات ورسائل کے علاوہ ادھر ادھر چھپنا بند کر دیا۔ خود مطالعہ کر کے احمدی ہوئے تھے اس لئے ان کا سلسلہ کے لٹریچر کے بارہ میں علم بھی بہت گہرا تھا۔ ایک بار مذاق میں کہنے لگے یار کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم پیدائشی احمدی نہ ہوتے ۔ میں نے کہا کیا مطلب؟ فرمانے لگے پیدائشی احمدی اپنے لٹریچر کے مطالعہ کی طرف سے ذرا غفلت برتتے ہیں۔ تم دیانت داری سے بتاؤ تم نے بانی سلسلہ احمدیہ کی کتنی کتابیں بالاستیعاب پڑھی ہیں۔ میرے پاس سوائے خاموش ہو جانے کے اور کوئی جواب نہ تھا۔ واقعی ہم پیدائشی احمدیوں میں یہ کمی موجود تھی۔ نئی نسل امید ہے اس طرح کی نہیں ہوگی مگر مجھے تو تنویر صاحب نے جھنجھوڑ دیا۔ تنویر صاحب بھی حوالوں کی پوٹ تھے۔ کہتے تھے روزادار یہ لکھنا خالہ جی کا گھر نہیں اور الفضل کا اداریہ؟ یہ

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

کا مضمون ہے۔ اپنے اس لئے اچھے اداریہ کے متمنی ہیں کہ ان کے علم اور ایمان میں اضافہ ہوتا رہے اور پرائے اس لئے الفضل کے اداریوں کی تاک میں رہتے ہیں کہ انہیں اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ آئے۔ اس لئے الفضل کے ایڈیٹر کی جان ضیق میں ہوتی ہے۔

محترم مولانا تاج الدین صاحب لائلپوری

ربوہ میں تاج الدین نام کے دو بزرگوں کو دیکھا۔ ایک تو ہمارے مولانا تاج الدین لائلپوری صاحب تھے جو ناظم دارالقضاء تھے۔ ہمارے محلّہ دار تھے۔ غالباً جامعہ احمدیہ میں استاد تھے اور دینی قانون کے ماہر ہونے کے ناطہ سے دارالقضاء کے ناظم تھے۔ بہت دبنگ تھے۔ ان کے بچوں میں سے مبشر سے دوستی کا اور دوسروں سے شاگردی کا تعلق رہا۔ منور تو اب بھی کبھی کبھی امریکہ سے فون کرتا رہتا ہے۔ ایک بار منظور قادر صاحب، جو سر عبدالقادر صاحب کے صاحبزادہ تھے اور انہی دنوں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ سے سبک دوش ہوئے تھے، میری دعوت پر ربوہ تشریف لائے۔ آپ نے خواہش کی کہ انہیں جماعت احمدیہ کے دفاتر کا معائنہ کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ ہم نے بسر و چشم یہ بات مان لی اور انہیں دفاتر کا معائنہ کرواتے پھرے۔ میاں غلام محمد اختر صاحب جو ان دنوں ناظر اعلیٰ ثانی تھے منظور قادر صاحب کی رہنمائی فرما رہے تھے۔ منظور قادر صاحب دفتر دارالقضاء میں پہنچے تو اس وقت مولوی تاج الدین صاحب کسی مقدمہ کی سماعت فرما رہے تھے۔ سابق چیف جسٹس صاحب کو اس میں بہت دلچسپی معلوم ہوئی کافی دیر کے اور کارروائی سنتے رہے۔ مولوی تاج الدین صاحب نے عدالت کے وقار کو پیش نظر رکھا۔ ذرا جوان کے چہرہ پر ایسا تاثر آیا ہو کہ کوئی معزز مہمان ان کے مقدمہ کی کارروائی دیکھ یا سن رہا ہے۔ اپنے کام میں ہمہ تن مصروف رہے۔ ہم لوگ وہاں سے نکلے تو منظور قادر صاحب فرمانے لگے میں اس کارروائی سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ کوئی وکیل موجود نہیں دوسرے اس لئے کہ قاضی کو اپنے مرتبہ قضاء کا پورا احساس ہے۔ منظور قادر صاحب کے تعارف میں یہ بات بھی عرض کر دو ں کہ ان کے والد ماجد جناب جسٹس شیخ سر عبدالقادر صاحب نے لندن کی ''بیت الفضل'' مکمل ہونے پر اس کا افتتاح کیا تھا۔ ان دنوں آپ برطانیہ میں متحدہ ہندوستان کے ہائی کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے۔ منظور قادر صاحب ان کے بیٹے تھے اور پاکستان کے وزیر قانون اور وزیر خارجہ کے عہدوں پر رہنے کے علاوہ مغربی پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدہ پر بھی رہے تھے۔ جب آپ نے ربوہ آنے کا وعدہ کیا تھا تو آپ ابھی چیف جسٹس تھے۔ جب آنے کا وقت ہوا تو چیف جسٹس کے عہدہ سے سبک دوش ہو چکے تھے مگر قانون اور انصاف میں ان کی دلچسپی قائم تھی۔ بیچارے جلد ہی دست اجل کا شکار ہو گئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے؟

مگر ہمارے علماء جدھر جاتے پھول کی طرح مہکتے جاتے تھے۔ ان کے علم کی خوشبو چاروں طرح پھیلتی رہتی تھی۔ اسی خوشبو نے لاکھوں آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا تھا اور کھینچتی ہے۔

محترم عبدالخالق صاحب

ذکر خاموش علماء کرام کا تھا۔ ایک بزرگ تھے جنہیں جامعہ میں بائبل پڑھانے پر مامور دیکھا۔ ان کا اسم گرامی عبدالخالق تھا۔ عیسائیت سے تائب ہو کر احمدی ہوئے تھے۔ بائبل کے ایسے عالم کہ گویا ساری بائبل ان کے انگلیوں کی پوروں پر تھی۔ لوگ باگ بائبل کا حوالہ تلاش کرنے کے لئے لائبریری جانے کی بجائے انہیں جا ملتے۔ انہیں دودھ جلیبی کا بہت شوق تھا۔ میٹھے کے عاشق تھے۔ مولانا جلیل صاحب مدظلہ سے تو ان کی دوستی تھی۔ ہمارے ابا سے بھی ان کا پرانا تعلق تھا۔ جب کبھی ہمارے ہاں تشریف لاتے ابا ہمیں بھگاتے کہ جاؤ بازار سے جلیبی لے کر آؤ۔ پھر اندر کہلواتے کہ دودھ جلیبی ملا کر باہر بھیج دیں۔ خوب آدمی تھے۔ خاموش اور اپنے آپ میں مگن۔ مگر بائبل کا ذکر آتا تو جیسے شیر ہو جاتے۔ قرآن کے حافظ تو ہم نے بہت دیکھے مولوی صاحب بائبل کے حافظ تھے۔ اب ہم نے جس زمانہ میں انہیں دیکھا وہ ہمارے بچپن یا حد لڑکپن کا زمانہ تھا ہم ان کے مرتبہ اور مقام سے آشنا نہیں تھے۔ مگر اپنے بزرگوں کو ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے دیکھا۔

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

اور اب بات ایک ایسے عالم پر آ گئی جس کے بارہ میں لکھنا آسان لگتا تھا مگر لکھنے لگا ہوں تو مشکل میں ہوں۔ کیا لکھوں؟ وہ شخص محض عالم ہی نہیں تھا۔ دوست بھی تھا۔ ایسا دوست جس پر سارے ہی دوست فخر کرتے تھے اور ہیں۔ حسب دستور ہماری اور ان کی عمروں میں بہت تفاوت تھا مگر ہم پر مہربانی فرماتے تھے۔ یہ ان کی ذرہ نوازی تھی۔ ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا۔

ایم اے میں داخل ہونے کے لئے لاہور اور ینٹل کالج میں پہنچے تو ہوسٹل میں رہنے کی اجازت لینے کے لئے مولانا نورالحسن صاحب سے ملنے کا حکم ہوا۔ انہیں ڈھونڈتے ہوئے سٹاف روم میں پہنچے تو

ایک صفاچٹ داڑھی والے بزرگ۔انگریزی سوٹ پہنے ملے۔ہم نے ان سے دریافت کیا''مولانا نور الحسن کہاں ملیں گے'' فرمانے لگے۔یہی خاکسار ہے۔بیٹھئے کیا حکم ہے؟۔ہم ہکا بکا ان کا منہ دیکھنے لگے۔مولانا کے لفظ نے ہمارے ذہن میں ریش مبارک اور جبّہ ودستار کا تصور باندھ رکھا تھا وہ دھواں بن کر اڑ گیا۔ہم نے اپنا تعارف کروایا۔فرمانے لگے ''اخاہ! تو آپ سیف الرحمٰن کے شہر سے آئے ہیں؟'' ان کے لہجہ کی ملائمت میں محبت بھی شامل ہوگئی۔مولانا نورالحسن نے بتایا کہ وہ اور ملک سیف الرحمٰن صاحب دینی مدرسوں میں اکٹھے ہی تو علم حاصل کرتے رہے ہیں۔اس کے بعد ان کی راہیں جدا ہو گئیں۔مگر دوستی قائم ہے۔

مکرم ملک سیف الرحمٰن مفتی سلسلہ کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ہم نے قادیان میں حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کو دیکھا ہوا تھا وہ کبھی جبّہ و دستار کے بغیر نظر نہیں آتے تھے۔مگر ہم نے مکرم سیف الرحمٰن صاحب کو اور پھر اپنے مولانا محمد احمد صاحب جلیل کو اس بارہ میں بے پرواہ پایا۔مولانا جلیل صاحب تو اکثر باہر جاتے ہوئے شیروانی زیب تن فرماتے۔مکرم ملک صاحب کو ہم نے کئی بار بلکہ اکثر بغیر شیروانی کے جامعہ آتے جاتے دیکھا۔ٹوپی ضرور اوڑھتے تھے انہیں ننگے سر دیکھنا یاد نہیں۔

مکرم ملک صاحب سے ہماری دوستی کا تعلق بھی ایسا ہی تھا۔جہاں ملتے بہت شفقت فرماتے دوستی یوں شروع ہوئی کہ ان کی بیگم امتہ الرشید شوکت صاحبہ لجنہ کے رسالہ مصباح کی ایڈیٹر تھیں اور ہم اس زمانہ میں مصباح میں خوب چھپا کرتے تھے کیونکہ یہ رسالہ ہماری نظمیں مضامین چھاپ دیتا تھا۔ایک بار رسالہ چھپنے سے پہلے مکرم ملک صاحب سے سرراہ ملاقات ہوئی۔فرمانے لگے اب کی بار مصباح میں آپ کی نظم آرہی ہے۔بڑی اچھی نظم ہے۔ہم نے تفنن سے کہا: اچھا تو آپ ہیں امتہ الرشید شوکت؟۔ملک صاحب بہت ہنسے۔ہماری دوستی پکی ہوگئی۔آپ جامعہ کے پرنسپل تھے۔سلسلہ کے مفتی تھے مگر ذرا جوان کا مرتبہ ہماری اور ان کی دوستی میں حائل ہوا ہو۔پھر ان کے بچے ہمارے شاگرد ہو گئے تو ایک نیا رشتہ بن گیا۔ملک صاحب بھی خاموش عالم تھے۔تقریریں ''ضرورت شعری'' کی وجہ سے کرتے ہوں گے کہ جامعہ کے پرنسپل تھے مگر عام جلسوں میں انہیں تقریریں کرتے نہیں دیکھا۔کالج کے ادبی اجلاسوں میں اور خاص طور سے مشاعروں میں ضرور تشریف لایا کرتے تھے۔ایک بار تساہل ہوا دعوت نامہ انہیں نہ پہنچا یا رستہ میں کہیں ضائع ہوگیا۔اس کے باوجود تشریف لائے فرمانے لگے میں نے سوچا یہ تو ہو نہیں سکتا آپ نے دعوت نامہ نہ بھجوایا ہو یقیناً رستہ میں کہیں ضائع ہوگیا ہوگا اس لئے میں آ گیا ہوں۔مگر دعوتوں کے بارہ میں بہت محتاط تھے۔کالج کی ہر دعوت میں پرنسپل جامعہ ہونے کی وجہ سے مدعو ہوتے تھے اگر دعوت نامہ نہ پہنچ سکتا تو کبھی نہ آتے۔

محترم ملک مبارک احمد صاحب

ربوہ کے خاموش عالموں میں بہت ہی خاموش تھے وہ ہمارے ملک مبارک احمد صاحب تھے۔عربی رسالہ البشریٰ کے ایڈیٹر۔انتہا کے سادہ اور سادہ دل۔جامعہ احمدیہ کے استاد تھے اپنے کام سے کام رکھتے۔مجلسوں میں جانا انہیں پسند نہیں تھا۔ہماری ایک پھوپھی زاد بہن تھیں وہ دوالمیال والوں کے حکیم عطا محمد صاحب سے بیاہی ہوئی تھیں۔اس لئے دوالمیال والوں سے تھوڑا سا رشتہ بھی تھا۔ملک صاحب دوالمیال کے تھے۔ان کے والد ملک عبدالرحمٰن صاحب اونچے قد آور بزرگ تھے۔مگر ملک مبارک احمد صاحب نہایت خاموش طبع اور عافیت جو تھے ہم نے انہیں کبھی اونچی آواز میں بات کرتے یا کسی پر غصہ ہوتے نہیں دیکھا۔ان کے بچوں میں سے منور ہمارا شاگرد ہوا۔ان کی بچیاں ہماری آنکھوں کے سامنے پل کر بڑی ہوئیں اور اب ماشاء اللہ گھر بار والی ہیں۔ملک صاحب کو اپنی اولاد سے انتہا کا پیار تھا۔ان کی بچیوں میں سے امتہ الباسط نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ایک بار فرمانے لگے مجھے لاہور کبھی اچھا نہیں لگتا تھا اب اچھا لگنے لگا ہے۔ہم نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ میری بیٹی لاہور میں پڑھ رہی ہے! یہ تھے ملک مبارک احمد صاحب۔علم کے پھل سے لدے ہوئے درخت کی طرح جھکے ہوئے! ہمارے دوست علامہ یعقوب امجد کہا کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ملک صاحب سے عربی نہیں پڑھی تو اسے عربی کی لذت کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے

خاموش عالموں میں سے حضرت مولوی محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے بھی تھے۔عام جلسوں میں تقریر کرنا تو آپ نے اس وقت شروع کیا جب حضرت بانی سلسلہ کے رفیقوں میں سے آپ آخری رفیق کے طور پر رہ گئے۔ورنہ اس سے پہلے جلسوں سے گریز پا ہی رہتے تھے۔دیہاتی مبلغ تھے۔اباجی کے ساتھیوں میں سے تھے۔حضرت مولوی محمد حسین صاحب بھی نہایت سادہ طبیعت عالم تھے۔ہم نے کئی مرتبہ انہیں دیہاتیوں میں بیٹھے گفتگو کرتے سنا۔خاموشی سے معترض کا اعتراض سنتے اور پھر آہستہ سے کوئی ایسا نکتہ بیان فرمادیتے کہ معترض لاجواب

ہو جاتا۔

محترم گیانی عباداللہ صاحب

محترم گیانی عباداللہ صاحب کا تخصص گورمکھی اور سکھ مت تھا۔ اس بارہ میں سکھ بھی انہیں گرومانتے تھے۔ 1965ء کی جنگ کے بعد یا پہلے ریڈیو پاکستان والوں کو مشرقی پنجاب کے سکھوں کے لئے ایک خاص پروگرام پنجابی دربار شروع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے کہہ کر اجازت مانگی کہ ہمیں گیانی عباداللہ صاحب کی خدمات کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے سوا کوئی ایسا نہیں جو سکھوں کا جواب سکھوں کی زبان اور ان لٹریچر سے دے سکے۔ گیانی عباداللہ صاحب نے گورمکھی میں سکھوں کے بارہ میں نہایت مفید لٹریچر تخلیق کیا ہے جو نہ صرف سلسلہ کے لئے بلکہ قومی لحاظ سے پاکستان کے لئے اب تک مفید اور مستند سمجھا جاتا ہے۔

محترم چوہدری عبدالواحد صاحب

گورمکھی کے ذکر سے بات اپنے بزرگ چوہدری عبدالواحد صاحب تک پہنچی۔ آپ ہندی کے عالم تھے۔ ان کے صاحبزادے ماجد شاہد ہمارے ساتھ سائیکل پر چنیوٹ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ چوہدری صاحب نے بہت کوشش کی کہ ماجد اور اس کے ساتھ ہم ان سے اور کچھ نہیں تو ہندی لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ مگر باوجود کوشش کے طبیعت ادھر نہیں آئی۔ اب اس عمر میں سویڈن والوں نے ہم سے یہ فرمائش کی کہ آپ ہندی سیکھ لیں تو ہمیں آپ کو شعبہ ہندو پاکستان دینا آسان ہو جائے گا۔ مگر ہماری طبیعت پھر بھی اس طرف مائل نہ ہوئی ورنہ ہمارے دوست اوم پرکاش عارف ہوشیارپوری نے تو ہمارے لئے ہندی کا ایک قاعدہ باقاعدہ تصنیف کر کے سٹاک ہالم سے بھجوادیا۔ چوہدری عبدالواحد صاحب بھی ہمارے بڑے خاموش طبع بزرگ تھے۔ ہندی کے رسائل منگواتے اور پڑھتے رہتے تھے اور سلسلہ کے مفید مطلب حوالے نکالتے رہتے تھے۔ اصلاح وارشاد کے دفتر میں نائب ناظر تھے۔ وضع داری سے شلوار قمیص کے اوپر ہاف کوٹ پہنتے اور ٹوپی اوڑھتے تھے۔ ہم نے بہت کم انہیں کوٹ کے بغیر دیکھا۔ خالہ زینب ان کی بیگم ہم سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتی تھیں ان کا گھر ہمارے لئے اپنا ہی گھر تھا۔ ہم نے گھر میں بھی چوہدری صاحب کو خاموش اور مطالعہ میں مصروف پایا۔ عجیب کتابی قسم کے بزرگ تھے مگر خشکی انہیں چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ ان کے چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی۔ کچے کوارٹروں میں رہتے تو ہم سائیکل پر ان کے گھر پہنچتے ماجد باہر آتا اور ہم چنیوٹ کے لئے روانہ ہو جاتے۔ چوہدری صاحب کچھ دور تک ہمیں دیکھتے رہتے پھر اندر چلے جاتے۔ ان کی دعائیں سارے سفر میں ہمارے ساتھ رہتیں۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب

جماعت کے خاموش علماء کا ذکر ہو رہا ہے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب بھی تو خاموش علماء میں سے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ سٹیج کے آدمی نہیں تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا ذکر تو ہم کئی جگہ کر چکے ہیں مگر حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا ذکرِ خیر اب تک کہیں نہیں حالانکہ ان سے تو قادیان کے زمانہ سے تعلق تھا بلکہ ان سے تو ہمارا آباؤاجداد کے زمانہ سے تعلق تھا۔

ہمارے دادا مولوی فضل خان صاحب سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہوئے تو قادیان میں آبسے۔ اچھی خاصی زمینداری تھی زمین بٹائی پردے دی اور درِحبیب پر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے دربان ہو گئے۔ ہمارے تایا محمد خاں صاحب حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب امۃ الحفیظ صاحبہ کی کوٹھی کی دربانی کرتے تھے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا وہ خاندان بانی سلسلہ کی دربانی کا صدقہ ہے۔ ہمارے دادا نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک سو بیس برس کے قریب عمر پائی۔ ہم نے جب بھی انہیں اپنی ہوش میں دیکھا اپنے گھر میں آم کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھے اور قرآن پڑھتے دیکھا۔ دادا جان کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت میاں شریف احمد صاحب کی کوٹھی کی دربانی ان کے سپرد تھی۔ عمارت میں توسیع ہو رہی تھی جو دیوار بنی اس کے بارہ میں دادا جان کو خیال ہوا کہ اس میں کوئی کمی رہ گئی ہے ٹھیک سے نہیں بنی۔ آپ نے حضرت بیگم صاحبہ سے ذکر کیا۔ فرمانے لگیں بابا دیوار اتنی ہی کمزور ہے تو بھلا اسے ایک دھکے میں گرادو۔ دادا جان نے ایک ہی دھکا دیا تو سیمنٹ سے چنی ہوئی دیوار وہ جا پڑی۔ سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ حضرت میاں صاحب نے معماروں کو بلا کر دوبارہ دیوار بنوائی۔ معماروں نے اعتراف کیا کہ واقعی دیوار کی تعمیر میں ان لوگوں نے پورا سیمنٹ استعمال نہیں کیا تھا۔

ربوہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب اصلاح وارشاد کے ناظر تھے۔ ہم انجمن کے کلرک ہونے کے باوجود میاں صاحب کے دفتر میں کام نہیں کرتے تھے مگر میاں صاحب کو خاموشی سے آتے جاتے دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت میاں صاحب

نہایت کم گو آدمی تھے۔ دفتر کے طرف آتے ہوئے کئی بار انہیں دیکھا مگر خاموش اور خود اپنی ذات میں مگن۔ پیدل چلنا انہیں بہت پسند تھا۔ اس زمانہ میں آپ دارالصدر سے یعنی اپنے گھر سے چلتے اور خلیفہ صلاح الدین صاحب کے گھر محلہ دارالیمن پیدل جاتے تھے۔ پاؤں دھول میں اٹ جاتے مگر چہرہ پر گردِ ملال نہ ہوتی۔ خلیفہ صلاح الدین صاحب سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ دونوں دوست پہروں بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ دونوں میں کیا گفتگو رہتی ہوگی معلوم نہیں کیونکہ ہم نے انہیں گفتگو کرتے نہیں سنا۔ مگر یہ بھی ہوسکتا ہے دونوں دوست خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہوں۔ اس بات کو بھی محبت کی انتہا سمجھا جاتا ہے کہ آمنے سامنے بیٹھ کر خاموش ایک دوسرے کو تکتے رہنا۔ جب بے تکلفی اور محبت اس درجہ تک پہنچ جائے تو باتیں کرنے کو رہ بھی کیا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت میاں شریف احمد صاحب کی اس خاموش محبت کا دور سے ہی نظارہ کیا ہے۔

ایک بار مکرم خلیفہ صلاح الدین احمد صاحب سے ملنے کے لئے ان کے دردولت پر حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ ہم کسی رسالہ کے لئے مضمون لکھ رہے تھے۔ فلسفہ کی کوئی بات تھی جو سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کسی نے بتایا کہ خلیفہ صلاح الدین صاحب فلسفہ کے عالم ہیں، ان سے رابطہ کرو۔ چنانچہ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسئلہ حل ہوگیا مگر خلیفہ صاحب سے بے تکلفی نہ ہوسکی کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی جسارت کرتے۔ ان کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب واقعتاً بڑے عالم آدمی تھے مگر خاموش اور گوشہ نشیں۔ ہمیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ خلیفہ صاحب کوئی کام بھی کرتے ہیں یا نہیں یا ان کے روزگار کا بندوبست ہے مگر ہم نے انہیں بے فکر اور مطمئن ہی پایا۔ اپنے علم پر مطمئن تھے اور جس شخص کے گھر میاں شریف احمد صاحب جیسے بزرگ خود چل کر جاتے ہوں اس کے اطمینان کی وجہ سمجھ بھی آتی ہے۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد!

حضرت مولوی محمد دین صاحب

ہم خاموش عالموں کا ذکر کرتے کرتے دارالیمن تک پہنچ گئے مگر اپنی گلی کے بزرگوں کو نظر انداز کر گئے۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب پہلے ناظر تعلیم تھے۔ پھر صدر صدر انجمن کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ جوانی میں امریکہ میں مبلغ رہے تھے۔ ہمارے سکول کی زندگی سے پہلے کہیں سکول میں ہیڈ ماسٹری بھی کی۔ ہم نے جب سے انہیں دیکھا بزرگ اور عمر رسیدہ ہی دیکھا۔ انگریزی زبان سے بہت شغف رکھتے تھے۔ انجمن کے دفتر میں صدر کی کرسی پر تھے۔ ہم نے انہیں کبھی کتاب کے بغیر نہیں دیکھا۔ ہاں آخری بیماری سے پہلے بہت کمزور ہوگئے تھے مگر ابھی دفتر آنا جانا جاری تھا۔ ڈاکٹروں نے عرق ریزی سے کام کرنے سے منع کر دیا ہوگا اس لئے خاموش اور اکیلے بیٹھے ذکر الٰہی کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے ہونٹ ہلتے دکھائی دیتے رہتے تھے۔

حضرت مولوی صاحب کا لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ ہم نے اپنی ہوش میں انہیں اچکن پہنے نہیں دیکھا۔ سادہ سا کرتا اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنتے تھے۔ پاؤں میں بھی سادہ سا دیسی جوتا ہوتا تھا۔ ہمارے ابا بھی اللہ بخشے لباس کے معاملہ میں بالکل دیہاتیوں جیسے طور رکھتے تھے۔ شلوار تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ناظری کے وقت حکماً انہیں پہنائی۔ شلوار میں بہت بے آرامی محسوس کرتے تھے اس لئے تہبند باندھتے تھے۔ گھر میں تہبند اور اس کے اوپر صرف بنیان۔ مہمان بھی آتے تو اسی لباس میں ان سے ملتے۔ بے تکلفی ان کے مزاج کا حصہ تھی۔ تقریبات میں اسی لئے نہیں جاتے تھے کہ لباس وغیرہ کا تکلف کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری افسروں سے بھی اسی شان سے جا ملتے تھے اور افسران کے رعب دبدبہ اور وجاہت کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

ایک بار میرے ایک دوست جھنگ کے ڈپٹی کمشنر ہو کر آگئے۔ ظاہر ہے دوست کو دوست کے گھر آنا ہی تھا۔ وہ مجھے ملنے کے لئے غریب خانہ پر آئے۔ ہم لوگ بیٹھک میں بیٹھے تھے کہ اباجی بھی کہیں دورہ سے واپس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ باہر ڈپٹی کمشنر صاحب کی جیپ کھڑی ہے اس لئے دوسرے دروازے سے گھر کے اندر چلے گئے۔ ڈی سی صاحب فرمانے لگے یہ کون بزرگ تھے؟ میں نے کہا میرے ابا۔ کہنے لگے یہ دو تین بار کسی کام سے میرے پاس تشریف لائے میں نے ان کا کام تو کر دیا مگر مجھے علم نہیں تھا کہ تمہارے ابا ہیں۔ تمہارے ابا ہوئے تو میرے ابا ہوئے۔ مجھے ان سے زیادہ احترام سے پیش آنا چاہیئے تھا۔ اب ان کو بلاؤ تاکہ میں ان کے پاؤں چھو سکوں۔ میں نے اباجی کو بتایا کہ ڈی سی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح تہبند اور بنیان میں باہر آگئے۔ ڈی سی صاحب نے بہت معافی چاہی اور شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کے بارہ میں بتایا کیوں نہیں؟ فرمایا: ''اچھا بیٹوں کے بارہ میں بھی بتایا جاتا ہے؟'' غرض اس کے بعد کئی بار ڈی سی صاحب آتے جاتے رہے اور اباجی ان کے ساتھ بچوں کا سا سلوک کرتے رہے۔

بات حضرت مولوی محمد دین صاحب کی علمیت سے چلی تو کہیں کی کہیں نکل گئی۔ ان کا میدان انگریزی اور بامحاورہ انگریزی تھا۔ ہمارے گھر کے سامنے ہی تو ان کا مکان تھا۔ اکیلے ہی رہتے تھے۔ دفتر اور گھر بس تگ و تاز کی تگ و تاز تھی۔ ایک دو بار بی اے کے امتحان کے دنوں میں انگریزی کا کوئی

محاورہ پوچھنا پڑا تو انہیں تکلیف دی مگر اس تکلیف دہی کے لئے بھی اس بات کا انتظام کرنا پڑا کہ صبح اپنے دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلیں تو ان سے پوچھیں۔ کیونکہ طبیعت میں اس بات کا بہت حجاب تھا کہ دروازہ کھٹکھٹانے پر مولوی صاحب کو دروازہ کھولنے کے لئے آنا پڑے گا۔ ایک تانگہ انہیں لینے کے لئے آتا تھا۔ اس میں دفتر جاتے تھے۔ اباجی ربوہ میں ہوتے تو دفتر جاتے ہوئے انہیں اپنی جیپ میں لے جاتے۔ مگر صدر صدر انجمن احمدیہ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ انہیں لینے کے لئے موٹر بھیجی جائے۔ تانگہ پر خوش تھے۔ عجیب صوفیانہ زندگی گزارتے تھے۔ جیسے زندگی کی آسائشوں سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

حضرت مولوی عطا محمد صاحب

ہماری ہی گلی میں حضرت مولوی عطاء محمد صاحب بھی تھے۔ ایک اور نابغ۔ جامعہ میں غیر ملکی طلباء کو اردو پڑھانے پر مامور تھے۔ ان کا طریق تدریس ایسا تھا کہ جامعہ کے غیر ملکی بچے فر فر اردو بولنے لگتے تھے۔ مولوی صاحب بھی دیہاتی بود و باش رکھتے تھے۔ گھر پر تو تہبند باندھتے تھے مگر جامعہ میں جاتے ہوئے شلوار کرتا پہن لیتے تھے۔ پاؤں میں وہی دیسی جوتی۔ پگڑی نہیں صافہ سا باندھتے تھے۔ گھر سے نکلتے ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھے جامعہ کا رخ کرتے۔ ذکر الٰہی باقاعدگی سے کرتے رہتے۔ ایک دو بار انہیں بآواز بلند بھی ذکر الٰہی کرتے سنا۔ واپس تشریف لاتے تو گھر میں وہی دیہاتیوں والا لباس پہن لیتے۔ نمازوں کے لئے باقاعدگی سے البیت میں جاتے۔ کڑکتی دوپہروں میں بھی، جب چیل انڈا چھوڑتی ہے۔ مولوی صاحب کو البیت کی طرف رواں دواں دیکھا۔

مہاشہ فضل حسین صاحب

پیچھے ہندی کا بڑا ذکر ہوا ہے تو مہاشہ فضل حسین صاحب کا چہرہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ مہاشہ فضل حسین صاحب کو جس زمانہ میں ہم نے دیکھا اس زمانہ میں ان پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ دائیں ہاتھ پر فالج کا اثر تھا۔ چلنے میں بھی دقت ہوتی تھی مگر اپنے کام میں مگن رہتے تھے۔ سلسلہ کی بہت سی مفید کتابیں انہی کی چھاپی ہوئی ہیں۔ بہت احتیاط سے مواد اکٹھا کرتے، مرتب کرتے اور چھاپتے تھے۔ ربوہ کے وسط والی پہاڑی میں پرانے اڈا کے بالمقابل عین پہاڑی کے دامن میں ان کا مکان تھا۔ گرمیوں میں ربوہ کا یہ حصہ آگ کا ٹکڑا بن جاتا تھا مگر مہاشہ فضل حسین صاحب کو ہم نے اس گرم مکان میں ٹھنڈے دل سے کام کرتے دیکھا ہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ چلنے میں دشواری کے باوجود مہاشہ صاحب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں تشریف لائے۔ حضرت میاں صاحب ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مہاشہ صاحب بھی ہندی کے عالم تھے۔ مہاشہ محمد عمر صاحب بھی ہندی کے ودان تھے ان کا بیٹا ہمارا کلاس فیلو تھا ایک آدھا بار ان کے ہاں حاضر ہونے کا موقعہ بھی ملا مگر مہاشہ صاحب ربوہ سے باہر تھے۔

میاں عبدالحق صاحب رامہ

ہندی کے ودان تو ہماری لپیٹ میں آ گئے۔ فارسی والے بچ گئے۔ مگر تابع؟ میاں عبدالحق رامہ صاحب ناظر بیت المال تھے۔ مگر ہمارے انجمن سے چلے جانے کے بعد ناظر بن کر آئے۔ ہمارا خیال تھا اکاؤنٹس کے آدمی ہیں، ادب سے کہاں تعلق ہوگا؟ مگر یہ نہ سوچا کہ اردو ادب کی تاریخ حساب دان ادیبوں شاعروں سے بھری پڑی ہے۔ مرزا محمد ہادی رسوا حساب دان تھے۔ جناب پروفیسر دل محمد تو خود ہماری ہوش کے زمانہ تک مشہور تھے جن کے دل الجبراء کو دیکھ کر ہم حساب سے فرار ہوئے تھے۔ رامہ صاحب فارسی ادب کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ حضرت بانی سلسلہ کی درثمین فارسی کے نو حافظ تھے۔ آپ نے اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا مگر خدا معلوم چھپا یا نہیں۔ ان کے بچے سارے ہی ہمارے شاگرد ہوئے عزیزی نعیم نہایت نفیس طبع اور سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ یہ جواں مرگ ہمیں بہت عزیز تھا۔ بچارا جوانی میں ہی دست اجل کا شکار ہو گیا۔ ایک چھوٹا سا بچہ اس کی یادگار رہ گیا۔ اس کی وجہ سے ہی ہمارا تعارف رامہ صاحب سے ہوا یا سفیر الحق کی وجہ سے ہمیں ٹھیک سے یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے ان کے ہاں حاضر ہوئے تو رامہ صاحب ایک بڑی سی میز پر بیٹھے اور ارد گرد فارسی کے دیوان بکھرے پڑے تھے۔ حافظ، رومی، فردوسی، انوری، خاقانی، بیدل، غالب اور خدا معلوم کون کون ہم حیرت سے انہیں دیکھتے رہے۔ رامہ صاحب نے وہ درثمین فارسی بھی دکھائی جس پر آپ نے تحشیہ کیا۔

بات اردو کی بجائے فارسی کی طرف مڑ گئی۔ ان کے ذوق کی پاکیزگی نے بہت متاثر کیا۔ پھر فارسی میں اپنے بھائی مبشر احمد راجیکی کے فارسی اشعار میں ان کے والد ماجد کا تصوف جھلکتا تھا۔ مبشر صاحب نے منشی فاضل کیا ہوا تھا اور فارسی پڑھاتے بھی تھے مگر رامہ صاحب دفتر میں دو اور دو چار کرتے اور گھر میں بیدل کے اشعار پڑھتے تھے۔ اس ناطہ سے عمر خیام ٹھہرے جو حساب دان تھا۔ یہ حساب دان شاعری میں در آئے ہیں تو اپنا تجربہ بھی بیان کر دیں۔ ہمیں تو جتنے حساب دانوں سے پالا پڑا شعری ذوق کے باب میں بالکل کورے نکلے۔

فارسی ہمارے سلسلہ کی روایت کا ایک لازمی جزو ہے۔ حضرت بانی سلسلہ کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ فارسی میں ہے اور اپنی شستگی ورفتگی کی وجہ سے اساتذہ

کے کلام سے لگا کھاتا ہے اس لئے ہم احمدی فارسی کی شعری روایت سے قطع تعلق نہیں کر سکتے۔ ہمارے فارسی شعراء میں سے حضرت مولانا بسمل صاحب کا ذکر ہندوستان کے فارسی گو شعرا کے تذکروں میں بڑے احترام سے کیا گیا ہے۔ ابھی حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے ان کی فارسی نظمیں سلسلہ کے ادبی سرمائے کا بیش بہا حصہ ہیں۔ فارسی کی طرف کماحقہ توجہ دینی بہت ضروری ہے۔ ورنہ ہمارے علم کلام کا کثیر حصہ لوگوں کی نگاہ سے اوجھل رہ جانے کا خدشہ ہے۔ ہمیں تو یونہی لگتا ہے ہمارے ہاں فارسی جاننے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔

محترم ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی

ایک بار ہمارے گھر کے سالانہ مشاعرہ پر ہمارا شاگرد عزیزی طاہر مرحوم ایک بزرگ کو ساتھ لایا۔ کہنے لگا میرے نانا ہیں۔ پنڈی رہتے ہیں۔ فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ تعارف پر معلوم ہوا ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی ہیں۔ خاکی صاحب کا فارسی کلام سلسلہ کے جرائد میں دیکھ رکھا تھا۔ ان سے پہلی بار ملاقات کر کے بہت خوشی ہوئی۔ بزرگ آدمی تھے۔ فارسی پر خوب عبور تھا۔ شعر بھی نہایت سادہ سادہ کہتے تھے۔ ہمارے مشاعرہ کی رونق کو چار چاند لگ گئے۔

محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی

ربوہ سے بات نکل کر پنڈی پہنچ گئی تو لاہور کے دو تین خاموش عالموں کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ اپنے شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی اور شیخ عبدالقادر صاحب بائبل سکالر۔ شیخ صاحب حالی کے ہم وطن ہی نہیں حالی کے شاگرد بھی تھے مگر شعر نہیں کہتے تھے۔ لاہور کی ادبی دنیا میں ان کا اور ان کے بیٹے محمد احمد پانی پتی مرحوم دونوں کے نام نہایت وقیع نام تھے۔ نقوش والوں نے جو اتنے ضخیم نمبر ادب پر شائع کر رکھے ہیں ان کی ترتیب میں مکرم شیخ صاحب کی معاونت بھی شامل ہے۔ شیخ صاحب سے تعارف ان کے بیٹے برادرم مبارک محمود پانی پتی کی وساطت سے ہوا۔ کئی بار لاہور جانا ہوتا تو ان کے ہاں رام گلی نمبر 4 میں قیام کا موقعہ ملتا۔ قبلہ شیخ صاحب سے گھر میں تو کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی کیونکہ آپ علی الصبح اپنی ادبی فتوحات پر نکل جاتے تھے۔ ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلہ رکھتے تھے جس میں کتابیں مسودے اور پتہ نہیں کیا کیا بھرا رہتا۔ سر پر پھندنے والی سرخ ٹوپی پہنتے۔ پاؤں میں گرد آلود جوتا بر میں شیروانی۔ شیخ صاحب بہت تیز تیز بولتے تھے ان کی باتوں کو سمجھنے کے لئے خاصی مشق کرنا پڑتی تھی ورنہ یونہی لگتا تھا الفاظ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ان کے ہونٹوں سے نکل رہے ہیں۔ ہمیں سالک صاحب مرحوم کی بات یاد آتی ہے۔ سالک صاحب نے حسرت موہانی کے بارہ میں لکھا کہ: ”ان سے پہلی بار ملنا ہوا تو میں بھونچکا رہ گیا۔ یا اللہ۔ ایسے ہوتے ہیں حسرت موہانی؟ بس شیخ صاحب کو دیکھ کر بھی یہی احساس ہوتا تھا مگر صاحب کیا بلا کے عالم تھے۔ ان کا چھوٹا سا کتاب خانہ غالباً حالی بک ڈپو اس کا نام تھا یا کچھ اور۔ اب ٹھیک سے یاد نہیں۔ مبارک پانی پتی نے ابا کی وفات کے بعد اس کو چلانے کی اپنی سی کوشش کی مگر کہاں؟ شیخ صاحب کی علمیت کہاں سے آتی۔ لاہور کی جماعت کا بڑا فعال آدمی تھے۔

شیخ صاحب کے بڑے صاحبزادے محمد احمد پانی پتی عربی سے ترجمہ کرنے میں فرد تھے۔ دیکھتے دیکھتے اس نحیف ونزار اور بیمار شخص نے عربی ادب کی شاہکار کتابیں اردو میں منتقل کر دیں اور ساری دنیا دیکھتی رہی گئی۔ پے در پے ان کے ترجمے شائع ہوئے تو دھوم مچ گئی۔ ہم نے پہلی بار محمد احمد پانی پتی کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اتنا نحیف ونزار آدمی اور ذہن اتنا توانا۔ مگر وہی خوش درخشند و لے شعلہ مستعجل بود کا مضمون ہوا۔ محمد احمد پانی پتی جوانی میں ہی گزر گیا۔ جوان بیٹے کی وفات پر ہم نے بوڑھے باپ کو صبر کرتے دیکھا تو صبر جمیل کے معانی سمجھ میں آئے۔ اللہ تعالیٰ باپ بیٹے دونوں کے درجات بلند فرمائے۔

بائبل کے سکالر محترم شیخ عبدالقادر

اور اب بائبل کے سکالر شیخ عبدالقادر صاحب محقق کا ذکر خیر۔ ہم اپنے شاگرد منیر احمد نذیر کے ہاں بیٹھے تھے کہ شیخ صاحب اندر سے تشریف لائے۔ منیر نے بتایا میرے ماموں ہیں۔ ہم شیخ صاحب کے علمی مرتبہ سے تو آشنا تھے مگر منیر کے ساتھ ان کے رشتہ کا علم نہیں تھا۔ شیخ صاحب نے بھی زیادہ شفقت کا سلوک کرنا شروع کر دیا۔ لاہور میں طالب علمی کے دوران جمعہ پر شیخ صاحب سے علیک سلیک ہو جاتی تھی۔ وہ مانے ہوئے محقق تھے ہم ابھی طالب علمی کی منازل میں تھے مگر جب بھی کبھی ہمارا کوئی مضمون یا نظم کہیں اشاعت پذیر ہوئی شیخ صاحب ضرور ہمیں ڈھونڈ کر ملتے اور ذکر کرتے۔ لکھنے والے تھے اس لئے لکھنے والوں کی نفسیات سے واقف تھے۔ شیخ صاحب نے اپنے ذاتی ذوق اور شغف سے بائبل کا علم حاصل کیا اور اس بارہ میں تنہا ان کی تحقیق اداروں کی تحقیق پر بھاری ہے۔ پیشہ کے لحاظ سے اکاؤنٹس کے آدمی تھے مگر علم کے لحاظ سے بائبل کے

سکالر تھے۔ صحائف قمران پر آپ کی تحقیق شائع ہوئی تو دنیا میں تہلکہ برپا ہو گیا۔ ایک شخص نے ایک ایسی جگہ بیٹھ کر جو عیسائیت کے علوم کا مرکز بھی نہیں تھا ایسا تحقیقی کام کر دکھایا ہے۔ اگر شیخ صاحب کی تحقیق کا کام انگریزی میں ہوتا تو بہت سی یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری دیتیں مگر ہمارے ہاں ایسا کون کرتا ہے۔ شیخ صاحب کی موت سے ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے جسے بظاہر پر کرنا ممکن نہیں لگتا مگر خدائی جماعتوں کے رستے کبھی رکتے ہیں؟

☆☆☆☆☆

میرے منصور بھائی

(ہادی علی چوہدری)

میرے پیارے منصور بھائی ان لوگوں میں سے تھے جن پر آیتِ کریمہ ''اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' صادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان پر رزق کو وسیع کیا تھا اور اس میں غیر معمولی برکت بھی دی تھی۔ اس کے ساتھ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل یہ بھی تھا کہ انہیں وسیع رزق سے زیادہ وسیع دل بھی عطا فرمایا تھا اور اسکے ساتھ ساتھ انکسار اور عجز سے بھی بہت نوازا تھا۔ وہ ایک غریب النفس امیر انسان تھے۔

یہ محض رسمی بات نہیں جو عمومی رنگ میں وفات یافتگان کے ذکرِ خیر کے طور پر کی گئی ہو بلکہ بیسیوں افراد اس حقیقت کے عملاً گواہ ہیں۔ خاکسار خود ایسے افراد کی اچھی خاصی تعداد کو جانتا ہے جن پر مالی لحاظ سے انکی وسعتِ قلبی کا اظہار ہوا یا ہوتا رہا۔ جہاں ضرورت مندوں پر مالی لحاظ سے ان کی عطا کا ہاتھ بہت وسیع تھا وہاں ان کو مضبوط بنیادوں پر مستحکم کرنے کی ٹھوس منصوبہ بندی اور مکمل رہنمائی کرنا بھی ان کے اوصاف کا نمایاں پہلو تھا۔

پیشے کے لحاظ سے وہ صرف تاجر ہی نہ تھے بلکہ اپنے گاہکوں کی ضرورت اور ان کے درد کو محسوس کرتے تھے اور ان کی حاجت براری کیلئے بے چین رہتے تھے۔ ان کی ضروریات پورا کرنے کیلئے اگر انہیں دوسرے ممالک سے بھی مطلوبہ چیز منگوانی پڑتی تو خواہ کتنی بھی دقت پیش آتی وہ اسکی پرواہ نہ کرتے اور وہ چیز ضرور منگواتے اور اسکی ضرورت پوری کرتے۔

جماعت کیلئے بھی خدمت کے جذبہ سے معمور و سرشار تھے۔ نیوجرسی میں مسجد کے لئے عمارت کی خرید کے سلسلہ میں بہت جذباتی تھے۔ اس بارہ میں خاکسار سے بھی ایک سے زائد مرتبہ بات کر چکے تھے۔ اپنی شہادت سے دو روز قبل بھی اسی عمارت کے بارہ میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ گو منصور بھائی نے بلا مبالغہ بیسیوں لوگوں کے گھر بنائے ہیں لیکن جس جذبہ، شوق اور محبت سے وہ یہاں اللہ کا گھر بنانے کے جذبات میں ڈوبے ہوئے تھے اس سے یہ اندازہ اور امید لگانا مشکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور غریقِ رحمت کرے گا اور اپنی رضا کی جنت میں ان کا بھی گھر بنائے گا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے منصور بھائی یقیناً ان لوگوں میں سے بھی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا یہ قول بھی صادق آتا ہے کہ ''اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ'' (الرعد) کہ جو انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ وہ ادھر بھی نظر آتے ہیں اور اُدھر بھی۔ کسی کی آنکھ میں اور کسی کے خیالات میں، کسی کی زبان پر اور کسی کے دل میں، وہ زندہ ہیں، ان کا فیض زندہ ہے، ان کی نفع رسانی زندہ ہے اور ان کا نام زندہ ہے۔ بقول بابا بلھے شاہؒ

وے بلھیا اسی مرنا ناہیں

گور پیا کوئی ہور

اے اللہ! اس نافع النّاس منصور بھائی کی مغفرت فرما، اس کے درجات بلند فرما اور اپنا قرب عطا فرما اور اس کی خوبیوں اور اوصاف کو اسکی اولاد اور لواحقین میں روشن اور جاری رکھ۔ آمین۔

اقوالِ زریں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

''درد جس سے خدا راضی ہو اُس لذّت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے''

''وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو''

ان سچے موتیوں کی مالا

(ثمینہ منصور نیو جرسی)
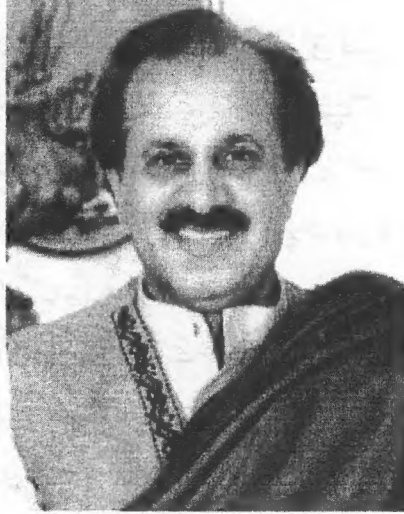
اس خوفناک جھٹکے نے ہمارے درمیان ہمیشہ کے فاصلے بنادیئے........ ایک اضطراب، تکلیف وصدمے سے حواس جواب دینے لگے.....دل کے گہرے زخموں سے رستا ہوا خون آنکھوں سے بہنے لگا......وہ سچے موتیوں کی مالا ٹوٹ گئی جو پچھلے ۳۲ سالوں سے میرے گلے میں تھی..........اب کیا ہوگا؟ میرا امتحان تو اب شروع ہوا ہے..........اور یہ بشارت بھی ساتھ ہی تھی کہ **اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ" قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْن......** اوراس پیارے خدانے مجھے یقین دلایا کہ وہ ہی بڑا سہارا ہے........دل غم سے پھٹ رہا تھا.........مگر مجھے ان آنسوؤں کو روکنا تھا..........ہمت ہارنا اور افسردگی تو منصور کو بھی پسند نہیں تھی.......... میں نے اپنے آنسو پونچھ لئے.......اور مالا کے چمکتے ہوئے موتیوں کو بکھرنے سے پہلے اپنی جھولی میں بھر لیا.........اب تو یہ قیمتی ہی نہیں انمول ہوگئے تھے.......... پھر وہ درد اور اضطراب ایک عزم اور ارادے میں بدل گیا اور ان موتیوں کی چمک کو میں نے دل میں اتارلیا.........یہی چمک ساری زندگی میرے دل میں سے خوشیاں بن کر پھوٹا کرتی تھی اور اسی چمک نے ایک بار پھر سے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی...........اس میں خوبصورت یادوں کے خزانے تھے...........میں واقعی بہت خوش قسمت تھی جو میرے نصیب میں یہ موتی تھے..........میں سوچا کرتی تھی کہ کیا جنت اس سے مختلف ہوگی...........اس شخص نے میری زندگی میں ساری دنیا کی خوشیاں ڈھیر کردی تھیں اور میری زندگی میں خوشیوں اور خوبصورتیوں کو انتہا تک پہنچا دیا تھا..............میرا سارا جذبہ، ہمت اور شوق آپ کی وجہ سے تھا۔ یہاں تک کہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ مجھے اپنی پہچان اور اہمیت کا احساس بھی آپ ہی کی وجہ سے ہوا۔ اس میں بلا مبالغہ میری شادی کے بعد میرے سسرال کے انتہائی پیار اور حسنِ سلوک، خاص طور پر منصور کی والدہ محترمہ صغریٰ بیگم مرحومہ کا خاص ہاتھ تھا۔ خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ منصور کی طبیعت میں انکی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو تھا۔ منصور ایسے خوش قسمت انسان تھے کہ انہیں اپنے خاندان میں ہر رشتے کی حیثیت سے بہت نمایاں اہمیت حاصل تھی جو میرے لئے بہت عزت کا باعث بنی۔ زندگی واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ایک بہت بڑا تحفہ ہے.......... منصور نے اپنی زندگی کی بہت قدر کی۔ ابراہام لنکن کا ایک قول ہے" آخر میں شمار نہیں ہوتا کہ زندگی میں دن کتنے تھے مگر یہ شمار ہوتا ہے کہ ان دنوں میں زندگی کتنی تھی۔" منصور نے زندگی کے ایک ایک دن میں ایک ایک لمحہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے پوری ہمت اور جذبے کے ساتھ گذارا.............اس نظر سے دیکھوں تو انہوں نے واقعی بہت لمبی عمر پائی۔

"منصور بھائی تو ہمارے سرپرست تھے..........آج ہم جو بھی ہیں منصور بھائی کی وجہ سے ہیں .... منصور تو ہمارے خاندان کا ہیرا تھا.......ہمارا گرو تھا............ہمارا mentor تھا..........ہمارا محسن تھا.......منصور کے پاس جاؤ تو ایسا لگتا تھا سب مسئلوں کا حل موجود ہے........." ان گنت لوگوں نے آنسوؤں کے ساتھ مجھے یہ پیغام دیئے۔ یہی تو خیال میرے دل میں بھی گذرا کہ آج میں ہی نہیں .... کتنے لوگ محروم ہوگئے.........منصور کی جیب میں سے نکلے ہوئے بھیگے ہوئے کاغذوں پر.........فون نمبر.......آدھی مٹی ہوئی تحریریں.......... پلانز.......... مسجد پراجیکٹ کی information اور جانے کتنے لوگوں کی امیدیں تھیں.........خدا تعالیٰ کی مصلحتیں وہی جانتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر**..............اور پھر وہی خیر الوارثین ہے اور وہی سب کی مدد کرنے والا ہے۔

پہلی ہی ملاقات میں دوسرے کے غم کو اپنا بنا لینا اور پھر حتی الوسع مدد کی کوشش بھی کرنا، کوئی بیماری، کوئی خاندانی مسئلہ، کوئی غم، امیگریشن کا مسئلہ یا کوئی نفسیاتی مسئلہ.......... ہر ایک کا حل موجود تھا اور اس کے متعلق مفید مشورہ اور اپنا وقت دیتے تھے۔ اپنے بوڑھے customers کو کام کے بعد کھانا

deliver کرتے۔ اپنا محاسبۂ نفس خود کرتے......... اکثر کہتے تھے کہ میری طبیعت میں بہت غصہ ہے مگر میں اپنے آپ کو سمجھاتا ہوں اور اپنی عادتوں پر غور کرتا ہوں.......... اکثر دوستوں کو مشورہ دیتے کہ خود اپنے آپ کو بدلنا چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ ضمیر پر بوجھ نہ تھا اور مطمئن رہتے تھے۔ ہر کام باہمی مشورے سے کرتے تھے۔ مجھے بزنس سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر وہ ہر بات مجھے ضرور بتاتے۔ ہم سب کے ساتھ انتہائی پیار کے سلوک کے ساتھ ساتھ طبیعت میں ایک رعب بھی تھا اور میں سمجھتی ہوں اس نے ان کی شخصیت کو اور بھی مکمل بنا دیا تھا اور.............. اسی وجہ سے میں نے بھی بہت چیزوں کی care کرنا سیکھی۔

زندگی میں انہوں نے ہمیں ہر پہلو پر اتنا کچھ بتا دیا.......بچوں کو اتنی نصیحتیں کیں...........اور اتنا وقت ہمارے ساتھ گذارا کہ ہمیں اب لگتا ہے کہ ساری زندگی اسی کو follow کرتے ہوئے گذار سکتے ہیں.......اور بچے بھی اس بات پر مطمئن ہیں۔

عاجزی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی غلط بات منہ سے نکل گئی یا کسی کو ڈانٹ دیا تو اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے......... اسی وجہ سے گھر میں کبھی tension نہ بڑھتی..........اور اب ان باتوں کو یاد کر کے دل کو تسلی ہوتی ہے کہ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن اگر انسان وقت پر ایک دوسرے کی قدر کرے اور دوسرے کے مثبت پہلو دیکھے تو بعد میں پشیمانی نہیں ہوتی........جب ماضی پر غور کرتی ہوں تو اس بات کی تسلی ہوتی ہے کہ جہاں منصور نے لمحہ لمحہ ہماری ضروریات کا خیال رکھا اس طرح سے ہم نے بھی ان کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا......... ہمارے دل میں ان کا احساس اس لئے بھی بہت زیادہ تھا کہ وہ اپنے اہم سے اہم بزنس کے کام جن میں نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا تھا فیملی کے معمولی کاموں کیلئے چھوڑ دیتے اور ہمارے لئے بھی زندگی کے کاموں میں اولیت انہی کو حاصل تھی۔ مجھے تو علم نہیں تھا کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے.........مگر میں سوچتی رہتی ہوں کہ اگر میں نے زندگی میں ان کی قدر نہ کی ہوتی اور یہ سب پہلے نہ سوچا ہوتا تو پچھتاوا رہ جاتا........میں جانتی تھی کہ وہ ہم لوگوں سے کتنے خوش تھے جس کا ذکر اور بھی بہت سے لوگوں نے کیا۔ اس موقع پر میں یہی کہوں گی کہ زندگی میں وقت بہت کم ہے.........وہ لمحے جو ابھی ہمارے ہاتھ میں ہیں ان کو خوشگوار نہ بنانا خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرانا ہے جس نے ہمیں صحت اور ہمت دی ہے۔ چھوٹی چھوٹی ناراضگیوں کو فوراً ختم کر لینا چاہیئے اور ضد کی وجہ سے تعلقات میں دوریاں نہیں لانی چاہئیں۔ مرد ہو یا عورت اپنے گھروں میں دل لگانا چاہئے کیونکہ یہی خوشیوں کی بنیاد ہے اور زندگی میں جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

منصور کی زندگی میں بہت توازن تھا........ اتنے کامیاب اور مصروف بزنس مین ہوتے ہوئے اپنی فیملی کیلئے اتنا وقت نکالنا اور اس کے ساتھ ساتھ سارے زمانے کے طرح طرح کے کام اپنے ذمہ لینا اور ساتھ ساتھ دوستیاں نبھانا ناممکن نظر آتا ہے................ مگر یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے انہیں اتنی ہمت دی کہ انہوں نے ان سب کاموں کو بڑے انصاف سے نبھایا اور کبھی یہ اندازہ نہیں ہوا کہ انہیں کاموں کی زیادتی کی وجہ سے stress ہو۔ اسکے باوجود بچوں کے ساتھ کہیں جانا پڑے یا اچانک کوئی کام آ پڑے، ہر وقت تیار ہو جاتے۔ اسکے علاوہ حد درجہ مہمان نواز تھے۔ کسی کے آنے کا پروگرام ہوتا تو گھر میں انواع و اقسام کے کھانوں کے ڈھیر لگا دیتے اور مہمان کی تمام اہم اور غیر اہم ذمہ داریاں اپنے ذمہ لے لیتے۔ یہی وجہ تھی کہ مہمان بسا اوقات مہینوں ہمارے پاس رک جاتے۔ منصور سمجھتے تھے کہ ان مہمانوں کی وجہ سے ہی ہمارے گھر میں برکت ہے.......... عاجزی اور انکساری اتنی تھی کہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں اس قابل تو نہیں تھا مگر خدا تعالیٰ نے ہی برکت ڈالی ہے جب کہ ساری زندگی خود بھی بہت زیادہ محنت کی۔

وقت کی تہوں میں یادیں موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں.........میں نے اپنے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر وعدہ کیا کہ اب ہم نے ان موتیوں کی چمک کو اپنے تک نہیں رکھنا........... یہ سچے موتی اس مالا کے تھے جو میری شادی سے پہلے خواب میں منصور کی امی نے مجھے دی تھی.............ہم نے ہمت سے کام لینا ہے.............انکے نام کو زندہ رکھنا ہے.............
ان کے ہر فیض کو آگے چلانا ہے۔ گو کہ ہمت نہیں تھی اور صدمہ بہت گہرا تھا مگر قرآن کی آیت پھر سامنے تھی **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ** موت تو برحق ہے.........سب نے جانا ہے.........اب تو یہ التجا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں وہاں بھی اتنے ہی پیار سے رکھے جس طرح انہوں نے اسکی مخلوق سے پیار کیا اور انکی اولاد کا خود نگہبان ہو۔ اس ناقابلِ برداشت واقعہ کے بعد میں یہ دعا کرتی ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھے مایوسی سے بچائے.........اور جن مقاصد کے پورا کرنے کیلئے اس نے مجھے دوبارہ زندگی دی ہے انہیں پوری ہمت سے نبھانے کی توفیق دے۔ آمین اَللّٰھُمَّ آمین۔

شکریہ احباب اور درخواست دعا

(روبینہ انور۔میری لینڈ)

میرے شوہر محمد انور ابن محمد حنیف صاحب مرحوم یکم دسمبر ۲۰۰۲ء کو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

انا لله و انا اليه راجعون

مرحوم ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب کے پوتے، چوہدری عبدللطیف صاحب آف ملتان کے داماد اور مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے بھانجے تھے۔

اس موقعہ پر پیاری جماعت کے پیارے لوگوں نے اور غیر از جماعت لوگوں نے دنیا بھر سے جس طرح میرے دلجوئی کی میں فرداً فرداً انکا شکریہ ادا نہیں کرسکی۔اسلئے النور کی وساطت سے میں سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر خیر عطا کرے۔آمین۔

میرے مرحوم شوہر 1950ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔مرحوم نے تین بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑے ہیں۔

مرحوم کو تلاوت قران کریم کا بہت شوق تھا۔صبح قران کی تلاوت کئے بغیر کوئی کام نہ کرتے۔مرحوم خدمت خلق کا بہت جذبہ رکھتے تھے اور ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ امریکہ میں بہت سے ضرورتمندوں کی خدمت کرتے رہے۔

مرحوم کی نماز جنازہ غائب بہت سے ملکوں میں ادا کی گئی۔خاص طور پر حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے امیر مقامی کی حیثیت سے ازراہ محبت ربوہ میں نماز جنازہ غائب پڑہائی جو کثیر التعداد لوگوں نے ادا کی۔

تمام احباب سے درخواست ہے کہ وہ مرحوم کی بلندی درجات کے لئے دعا کریں نیز دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو اپنے خاص فضل سے اپنے حفظ وامان میں رکھے اور مجھے ان کی نیک تربیت کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہم سب کو یہ صدمہء عظیم برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے۔آمین۔

برادرم محمد انور کی یاد میں

(بشارت جمیل کا اظہارِ محبت)

اللہ اللہ پھر چمن میں شور و غل کیسا ہوا
ہمارا انور بھی اچانک اللہ کو پیارا ہوا

انّاللہ پڑھ کے سب رونے لگے زار و قطار
مبتلا کرب و الم میں یہ جہاں سارا ہوا

حسن کا پیکر تھا تو خُلق کا محور تھا تو
فرشتہ صفت انساں تھا تو نور میں ڈوبا ہوا

خدمتِ خلق میں تو سب سے آگے آگے تھا
مستفیض اس صفت سے ہر بڑا چھوٹا ہوا

رشکِ بہاراں جو رہا جانِ گلستاں جو رہا
گُلشنِ انور کا ہر گل کیوں ہے مرجھایا ہوا

نازِ روبیؔ بھی تو ہی سرتاجِ روبیؔ بھی تو ہی
آفریں صبرو تحمل اس کا اب گہنا ہوا

چاروں بچوں سے محبت والہانہ تھی تجھے
اس سے بڑھ کر ان کو حاصل پیارِ یزدانا ہوا

''راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو''
اس دعا سے غمزدوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا

سلمانؔ کے پاس اِس جہاں میں اکثر چلا جاتا تھا تو
سب سے پہلے اُس جہاں میں بھی تیرا جانا ہوا

نائلہؔ کے غم سے ہی اُٹھنے نہ پائے تھے ابھی
پھر ناتواں کندھوں پہ آیا کوہِ گراں گرتا ہوا

ربّنالاتُحَمِّلناَ ماَ لاَ طاَقَۃَ لناَ بہِ
تیری تربت پہ جمیلؔ آیا ہے یہ کہتا ہوا

۱۱ دسمبر ۲۰۰۲ء